ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات کے بارے میں علماء کی خدمت

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن —— لاہور

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۳۳ | شمارہ ۹ | ذی الحجہ ۱۴۰۴ ہجری مطابق ستمبر ۱۹۸۴ء

مشمولات

عرضِ احوال —— ۳
جمیل الرحمٰن

الہدیٰ (اٹھارہویں نشست) ۹
ڈاکٹر اسرار احمد

قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات اور ان کے بارے میں علمائے کرام کے خدشات —— ۱۹
ڈاکٹر اسرار احمد

جہاد بالقرآن (۲) —— ۶۳
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کراچی فون برائے رابطہ
۲۱۴۰۰۹

آئندہ ماہ کے دوران امیر تنظیم اسلامی کی متوقع مصروفیات

۳ ستمبر۔ بعد دوپہر۔ روانگی از لاہور برائے اسلام آباد۔
" " بعد نماز مغرب۔ درس قرآن کمیونٹی سنٹر اسلام آباد (آبپارہ)
۴ ستمبر۔ اجتماع خصوصی رفقائے تنظیم اسلامی راولپنڈی اسلام آباد (فیری لینڈ ہائی سکول راولپنڈی)
" " شام خطاب عام۔ فیری لینڈ ہائی سکول۔
۵ ستمبر صبح۔ نشست برائے سوال وجواب۔ فیری لینڈ ہائی سکول۔
" " دوپہر۔ روانگی از راولپنڈی۔
" " ظہر تا عصر۔ خطاب عام۔ گوجر خاں۔
" " رات۔ خطاب عام۔ جلال پور جٹاں (امکان ہے)
۹ ستمبر تا ۱۱ ستمبر۔ کراچی میں قیام اور مختلف دعوتی پروگرام ہوں گے۔ ۱۱ ستمبر کو رفقائے تنظیم اسلامی کراچی کا اجتماع خصوصی ہوگا۔ کراچی میں قیام کے دوران تفصیلات کے لئے جناب عبدالواحد عاصم صاحب قیم تنظیم اسلامی کراچی سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے (فون ۷۰۹۴۲۱)
۱۴ ستمبر بعد از عشاء۔ خطاب عام۔ عالی مسجد ملتان روڈ۔ لاہور۔
۱۶ ستمبر۔ بعد دوپہر۔ روانگی برائے پشاور۔
" " شام۔ خطاب عام۔ گرین ہوٹل پشاور۔
۱۷ ستمبر۔ قبل از دوپہر۔ نشست برائے سوال وجواب
" " " اجتماع خصوصی تنظیم اسلامی پشاور۔
" بعد از دوپہر۔ روانگی برائے دیر۔ سوات۔
۱۷ ستمبر شام تا ۲۰ ستمبر دوپہر۔ قیام دیر۔ سوات۔
۲۰ ستمبر شام۔ واپسی لاہور۔
۲۱۔۲۲۔۲۳ ستمبر بعد از نماز مغرب۔ جامع مسجد صدر بازار لاہور چھاؤنی۔ رفقائے تنظیم اسلامی لاہور کے لئے تربیتی اجتماعات۔

علاوہ ازیں حسب معمول مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں قبل از نماز جمعہ خطاب عام اور جمعہ بعد از نماز مغرب جامع مسجد باغ والی نزد گھاس منڈی شاہ عالم مارکیٹ لاہور اور ہفتہ بعد از نماز مغرب قرآن اکیڈمی لاہور میں تنظیم اسلامی لاہور کے اجتماعات میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رہے گا۔
ان شاء اللہ

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز ذو الحجہ ۱۴۰۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۴ء کا یہ شمارہ عید الاضحیٰ سے قبل قارئین کرام کے ہاتھوں تک پہنچ جائے گا۔ اس شمارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ العالی کے خطاب "جہاد بالقرآن" کی دوسری اور آخری قسط کے ساتھ ہی موصوف کا وہ مکمل خطاب جمعہ بھی شامل ہے جو ۲۹ رمضان المبارک کو "قرآن کے نام اٹھنے والی تحریکیں اور علماء کرام کے خدشات" کے عنوان سے کیا گیا تھا ـــــ یہ دونوں خطاب نہایت توجہ سے مطالعہ کے متقاضی ہیں۔ قارئین کرام کو عید الاضحیٰ کی تعطیلات کے باعث یقیناً معمول سے کچھ زیادہ فرصت مہیا ہوگی لہٰذا ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ گذشتہ شمارے میں شائع شدہ 'جہاد بالقرآن' کی پہلی قسط اور موجودہ شمارے میں شامل قسط نیز ڈاکٹر صاحب موصوف کے ۲۹ رمضان والے خطاب کا بالاستیعاب مطالعہ فرمائیں۔

"جہاد بالقرآن" کے موضوع پر خطاب کے دوران ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا تھا کہ "میں ان (باتوں) کو اہل علم کے سامنے ان کی تائید و توثیق یا اصلاح کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ میں قرآن کا ادنیٰ طالب علم ہوں، مجھے اہل علم سے رہنمائی حاصل ہونے پر دلی مسرت ہوگی۔ میں خلوص دل سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ مجھ پر میری غلطی واضح کر دی جائے تو میں سر تسلیم خم کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی تردد نہیں کروں گا۔ بلکہ غلطی کی نشان دہی کرنے والے صاحب کا صمیم قلب سے احسان مند ہوں گا" ـــــ ڈاکٹر صاحب موصوف کی اس پیش کش کے پیش نظر قارئین میثاق اور بالخصوص ان اہل علم و دانش کی خدمت میں ہم گذارش کریں گے جن کی خدمت میں میثاق پہنچتا ہے یا جن کی نظر سے گزرتا ہے کہ وہ ان دونوں خطابات کے متعلق، اپنی تنقید، تبصرے، مشورے اور آراء سے ہمیں اور ڈاکٹر صاحب کو مستفید ہونے کا موقع مرحمت فرمائیں۔ ان خطابات کے طرز استدلال

واستشہاد اور مضامین و مباحث میں کتاب و سنت کی رو سے کوئی غلطی نظر آئے تو اس کی دلائل کے ساتھ ضرور نشان دہی فرمائیں۔ ان شاء اللہ العزیز ڈاکٹر صاحب موصوف ان پر کھلے دل سے غور فرمائیں گے اور اگر مطلع کردہ غلطی پر مطمئن ہو گئے تو اس کا برملا اظہار و اعلان بھی کر دیں گے ـــــ نیز ضرورت متقاضی ہوئی تو موصول شدہ آراء کو 'میثاق' میں شائع کرنے پر بھی غور کیا جائے گا۔

ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ملک کی معروف دینی درسگاہوں اور علمائے عظام نیز اہل دانش و بینش کے مکمل پتے حاصل کر کے اگست و ستمبر کے شمارے ان کی آراء کے حصول کے لئے ان کی خدمت میں بھیجے جائیں۔ اس ضمن میں ہمیں 'میثاق' کے قارئین سے یہ تعاون درکار ہے کہ وہ اپنے علاقے کے مشہور و معروف علمائے کرام کے مکمل نام پتے سے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ اگر ان حضرات گرامی کے اسمائے گرامی ہماری مرتب کردہ فہرست میں شامل نہ ہوں تو ان حضرات کی خدمت میں بھی یہ شمارے ارسال کئے جا سکیں۔ قارئین کرام کا یہ تعاون انشاء اللہ تعاون علی البر کے زمرے میں شمار ہوگا۔

ان دونوں خطابات کی طوالت کے باعث میثاق میں قسط وار شائع ہونے والے اور چند دوسرے مضامین شامل اشاعت نہیں کئے جا سکے جس پر ہم قارئین سے معذرت خواہاں ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز یہ مضامین آئندہ شمارے میں شامل ہوں گے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی شمالی امریکہ (ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کناڈا) کے بعض شہروں اور ساتھ ہی برطانیہ کے دعوتی دورے سے ۱۳ اگست کو بحمد اللہ بخیر و عافیت مراجعت ہو گئی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ شمارے میں عرض کیا گیا تھا کہ اس دورے میں محترم ڈاکٹر ابصار احمد ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی بھی امیر محترم کے ہم سفر تھے۔ موصوف سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس دورے کی مختصر لیکن جامع روداد 'میثاق' کے لئے تحریر فرما دیں۔ اگر مشیت الٰہی سے یہ کام تکمیل پا گیا تو یہ روداد ان شاء اللہ 'میثاق' کے قارئین تک پہنچ جائیگی۔

ہمارے دین میں خوشی کی دو تقاریب (تہوار) مقرر ہیں جن کے لئے اسلامی اصطلاح "عید" ہے۔ ان "عیدین" کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو فرض عبادات سے

متعلق فرمادیا ہے۔ عید الفطر کا تعلق روزے کی فرض عبادت کی تکمیل اور عید الاضحیٰ کا تعلق فریضۂ حج کی ادائیگی سے ہے۔ حج اور عید الاضحیٰ۔ یہ دونوں شعار حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت کے گرد گھومتے ہیں۔ حج کا رکن رکین تو وقوف عرفات ہے اس کے علاوہ سورۂ حج میں دو بنیادی ارکان کا ذکر ملتا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے نام پر جانوروں کی قربانی اور دوسرے طواف بیت اللہ شریف کا ــــ کون نہیں جانتا کہ حج ارکان اسلام میں سے صلوٰۃ، زکوٰۃ اور صوم تینوں فرض عبادات کی روح کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے لیکن ارکانِ حج صرف مقررہ تاریخوں اور دنوں میں صرف ارض مقدس کے مقررہ مقامات پر ہی ادا کئے جا سکتے ہیں۔ جس میں مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ کی شرط موجود ہے ــــ اب تو اس میں حکومت کے مقرر کردہ قرعہ اندازی میں نام نکلنے کی شرط بھی شامل ہوگئی ہے ــــ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ حج کے ارکان میں سے ایک اہم رکن قربانی بھی ہے۔ لہٰذا 'قربانی' کے عمل کو کتاب وسنّت نے اتنی وسعت وتوسیع دی ہے کہ روئے زمین پر بسنے والا ہر ذی استطاعت مسلمان اپنے اپنے مقامات پر مقررہ دنوں میں جانوروں کی قربانی پیش کر کے حج کے ایک اہم رکن کی ادائیگی میں شریک ہو کر اللہ کی رحمت، برکت اور مغفرت میں سے حصہ پالے ــــ پھر دنیا بھر میں جانوروں کی قربانی کی ایک اہم حکمت یہ بھی ہے کہ مسلمان ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابتلاء و آزمائش سے پُر زندگی کی سب سے بڑی آزمائش کی سنّت میں شریک ہو جائیں اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی عزیز اور محبوب ترین چیز کو قربان کرنے کا جذبہ ــــ فتح مکہ سے قبل مدینہ منوّرہ میں بھی عید الاضحیٰ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جانوروں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ قربانی کی حکمت معلوم کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ کی طرف سے حضورؐ سے سوال کیا گیا: مَا هٰذِهِ الاضاحی یا رسول اللہ ــ" اے اللہ کے رسول! ان قربانیوں کی حقیقت کیا ہے؟" جواب میں حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنة ابیکم ابراهیم " یہ تمہارے جدِ امجد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی سنّت ہے" اس کی تعبیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے ایک خطاب میں کی ہے (یہ خطاب مطبوعہ شکل میں موجود ہے) اس کے دو اقتباسات کو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے جن سے قربانی کی حکمت اور ایک پیغام بھی ہمارے سامنے آتا ہے:

"یہ (قربانی) اس عظیم الشان واقعہ کی یادگار ہے کہ جس میں ایک سو سالہ بوڑھے باپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے اکلوتے بیٹے کے گلے پر جو نوجوانی کے دور میں قدم رکھ رہا ہے، چھری پھیر دی تھی جو گویا کہ اللہ کی راہ میں قربانی کی آخری صورت ہو سکتی ہے کہ اپنی محبت، اپنے جذبات اور اپنے احساسات کو اللہ کی رضاجوئی کے لئے قربان کر دیا جائے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو اس لحاظ سے نوعِ انسانی کی تاریخ کی ایک عظیم علامت (Symbol) بن گیا ہے اور اس طرح یہ قربانی ہمیشہ کے لئے شعائرِ دین میں شامل کر دی گئی ہے۔ یہ اس قربانی کی روح کو بیدار اور برقرار رکھنے کا بھی ایک اہم ذریعہ بن گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ایک بندۂ مؤمن سے مطلوب ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ترین چیز بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اس قربانی کی یادگار ہے جو ہر سال منائی جاتی ہے۔"

اسی خطاب کے آخر میں محترم ڈاکٹر صاحب مسلمانوں کو ان الفاظ میں ان کا فرض یاد دلاتے ہیں:

"ہمارے لئے لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ ہم سوچیں، غور کریں اور اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں۔ کیا واقعتاً ہم اللہ کی راہ میں اپنے جذبات و احساسات کی قربانی دے سکتے ہیں! کیا واقعتاً ہم اپنی محبوب ترین اشیاء کی اللہ کی راہ میں قربانیاں دے سکتے ہیں! کیا واقعتاً ہم اللہ کے دین کی خاطر اپنے وقت کا ایثار کر سکتے ہیں! چونکہ یہ زمانہ Time is Money کا ہے ـــــ کیا ہم اپنے ذاتی مفادات کو اللہ اور اس کے دین کے لئے قربان کر سکتے ہیں! اپنے علائقِ دنیوی، اپنے رشتے اور اپنی محبتیں اللہ کے دین کی خاطر قربان کر سکتے ہیں! اگر ہم یہ سب کر سکتے ہیں تو عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی بھی نورٌ علیٰ نورٌ ـــــ اور اگر ہم اللہ کے دین کے لئے کوئی ایثار کرنے کے لئے تیار نہیں تو جانوروں کی یہ قربانی ایک خول اور ڈھانچہ ہے جس میں کوئی روح نہیں ہے۔

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

جانوروں کا ذبح کرنا رہ گیا ہے۔ اس میں جو روحِ ابراہیمی تھی وہ موجود نہیں ہے۔ اس نقطۂ نظر سے ہم میں سے ہر شخص کو اپنے دل کو ٹٹولنا چاہئے کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔ میری زندگی سنّتِ ابراہیمی کے مطابق ہے یا نہیں! اگر ہے تو جانوروں کی قربانی کی بھی ہماری زندگی کے ساتھ ایک مطابقت ہے۔ اگر نہیں ہے تو یہ ایسا ہی ہے کہ نیم کے درخت پر ثمرِ بہشت کا ایک آم لاکر ہم نے دھاگے سے باندھ دیا ہے۔ اللہ اللہ خیر صلا! ـــــ اس سے وہ درخت آم کا نہیں ہو جائے گا۔ وہ تو نیم ہی کا درخت ہے اور وہی رہے گا۔ ہماری جو کیفیات بالفعل ہیں وہ تو یہی ہیں کہ ہم نے نیم کے درختوں پر ادھر ادھر سے کچھ آم لاکر ٹانک لئے ہیں اور جس طرح ہم نے دین کے دوسرے بہت سے حقائق کو محض رسموں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے، اسی طرح قربانی کی اصل روح بھی ہمارے دلوں سے غائب ہو چکی ہے اور اب اس کی حیثیت بعض کے نزدیک ایک رسم کی ہے اور اکثر کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ایک قومی تہوار کی ـــــ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہر سال پندرہ بیس لاکھ سے بھی زائد کلمہ گو حج کرتے ہیں اور بلا مبالغہ پورے کرۂ ارض پر کروڑوں کی تعداد میں ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی دی جاتی ہے لیکن وہ روحِ تقویٰ کہیں نظر نہیں آتی جس کی رسائی اللہ تک ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے　　وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے

نماز و روزہ و قربانی و حج　　یہ سب باقی ہے تُو باقی نہیں ہے

یعنی اللہ کا تقویٰ مسلمانوں میں کمیاب بلکہ عنقا شے بن کر رہ گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس طرف عقل و شعور کے ساتھ ہم میں اس بات کی طلب پیدا ہو کہ ہم متوجہ ہوں کہ معلوم کریں کہ کُل رُوحِ دین کیا ہے!

روحِ قربانی کیا ہے! جس کا ایک نمونہ اور جس کی ایک یادگار ہم ہر سال جانوروں کی قربانیوں کی شکل میں مناتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی اصل حقیقت کا فہم عطا فرمائے اور ہمیں ہمت دے کہ ہم واقعتاً اپنے مفادات، اپنے جذبات، اپنے احساسات اور اپنی محبتیں ان سب کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر قربان کرسکیں ـــــ اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اصل روحِ قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرسکیں اور عید قربان پر جب اللہ کے نام پر جانور کی قربانی کریں اور اسے ذبح کریں تو ساتھ ہی عزم صمیم بھی کرلیں کہ ہم اپنا تن من دھن، اس کی رضا کے لئے، اس کے دین کی سربلندی کی راہ میں قربان کردیں گے ـــــ

گویا بقول شاعر ؎ میرا سب کچھ میرے خدا کا ہے

اور بفحوائے الفاظِ قرآنی: اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔

اختتام پر ایک ضروری گذارش یہ ہے کہ اسلامی اصطلاحات کا بے دریغ دوسری چیزوں کے لئے استعمال کسی طرح صحیح نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک یہ عمل آخرت میں مؤاخذۂ رب العزت کا سبب بن سکتا ہے "عید" کی اصطلاح اصلاً اسلامی اصطلاح ہے اور اس کا اطلاق انہی تقاریب پر درست ہے جو ہمارے دین میں مقرر ہیں۔ اس معاملہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے اور ضروری ہے کہ دوسری تقاریب کے لئے "عید" کی اصطلاح استعمال کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ اسی موقع پر ہم اپنے ان دینی بھائیوں اور بزرگوں کی خدمت میں نہایت دل سوزی سے عرض کریں گے جو ایک مخصوص انداز کی تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنے یا ملکی قومی انتخابی مہمات میں حصہ لینے یا فقہی و کلامی تعبیرات کے اختلافات کے ضمن میں جلسہ و جلوس میں شرکت کرنے کو بدر و احد و حنین کے معرکوں میں شرکت قرار دیتے ہیں ـــــ کہاں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جان نثاری کے وہ معرکے اور کہاں یہ چیزیں!! ـــــ توقع ہے کہ متعلقہ بزرگ اس گذارش پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔ جزاہم اللہ خیرًا

الہدیٰ

(اٹھارھویں نشست)

(مباحث ایمان ۔ درس ثالث)

نورِ ایمانی کے اجزائے ترکیبی:

نورِ فطرت اور نورِ وحی

سورۂ نور کے پانچویں رکوع کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلیویژن کے دروس کا سلسلہ

(۲)

السلام علیکم ۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ امّا بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ۭ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

"ان گھروں میں کہ جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ انھیں بلند کیا جائے، ان میں اللہ کے نام کا ذکر کرتے ہوئے اس کے لئے تسبیح کرتے ہیں، صبح کے اوقات میں بھی اور شام کے اوقات میں بھی، وہ جواں مرد وہ باہمت لوگ جنھیں غافل نہیں کر سکتی کوئی تجارت اور کوئی سودا اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ

کی ادائیگی سے۔ وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن کے تصور سے کہ جس دن الٹ جائیں
گے دل بھی اور نگاہیں بھی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو جزا عطا فرماتے ان کے بہترین
اعمال کی اور انھیں مزید عطا فرماتے اپنے فضل سے۔ اور
اللہ عطا فرماتا ہے جس کو چاہے بلا حد حساب" (سچ فرمایا بڑی عظمت والے اللہ نے)

محترم حاضرین و معزز ناظرین!

یہ سورہ نور کے پانچویں رکوع کی دوسری، تیسری اور چوتھی آیات ہیں، جن کی ابھی آپ نے تلاوت اور ان کا ترجمہ سماعت فرمایا۔ اس رکوع کی پہلی آیت کے بارے میں پچھلی نشست میں بیان ہوا تھا کہ اس میں ایمان کی حقیقت، ایمان کی ماہیت، ایمان کی ایک نور سے مشابہت سے متعلق حقائق بیان ہوئے ہیں، اور یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ ایمان حقیقی کا مرکز اور محل و مقام قلب انسانی ہے۔

جیسا کہ پچھلی نشست میں عرض کیا گیا تھا کہ اگر ایمانِ حقیقی کا یہ نور فی الواقع کسی قلب میں پیدا ہو جائے تو اس کے اثرات اس کی پوری شخصیت میں، اس کے کردار میں، اس کی سیرت میں، اس کے رویّہ میں اس کی دلچسپیوں میں ظاہر ہوں گے۔ اسی کا ایک نقشہ ہے جو ان آیات میں ہمارے سامنے آتا ہے جن کی آج تلاوت کی گئی ہے اور اس کا رواں ترجمہ بیان کیا گیا ہے ۔۔۔ پہلی بات تو یہ سامنے آئی کہ اس روئے ارضی پر خارجی اعتبار سے اس نورِ ایمانی کے سب سے بڑے مراکز مسجدیں ہیں۔ اللہ کے وہ گھر جن میں اہل ایمان ہر روز پانچ مرتبہ جمع ہوتے ہیں۔ نورِ ایمانی کا یہ ارتکاز فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ، ان گھروں میں خاص طور پر نمایاں نظر آئے گا جن کو بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ۔۔۔ اس بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک بہت ہی عمدہ اور پیارا قول ہمیں ملتا ہے وہ فرماتے ہیں المساجد بیوتُ اللّٰہ فی الارض. وھی تضییٔ لاھلِ السماءِ کما تضییٔ النجومُ لاھلِ الارض ۔ "مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور آسمان والوں کو وہ اسی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں جیسے کہ زمین والوں کو ستارے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں" ۔۔۔ اس سے ظاہر ہے کہ اُس نورِ ایمان کے سب سے بڑے مراکز اللہ کے یہ گھر ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں وہ نورِ ایمان پیدا ہو جاتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی دلچسپیوں کا سب سے بڑا مرکز مسجدیں ہوتی ہیں چنانچہ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات قسم کے اشخاص وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ حشر کے دن میدانِ حشر میں خاص اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا۔ جب کہ کسی کو بھی کسی اور جگہ سایہ میسر نہیں ہوگا۔ ان میں ایک قسم کے لوگ وہ بھی ہوں گے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا۔ وَ رجلٌ قلبہٗ مُعلقٌ بالمَسَاجِدِ "وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا ہوتا ہے ـــــ وہ مسجد سے باہر نکلتا ہے ـــ اس کے گھر بار کی ضروریات ہیں، کاروبار کی ضروریات ہیں، معاشی کی مصروفیات ہیں، دیگر حوائج ہیں۔ لیکن اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے جیسے مچھلی کو پانی سے نکال دیا گیا ہو۔ وہ ایک ضرورت ہے، ایک مجبوری ہے، جس کے تحت وہ مسجد سے نکلا ہے، ورنہ اس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے اور وہ منتظر رہتا ہے کہ جیسے ہی پھر اذان کی آواز آئے، وہ فوراً لپک کر مسجد کی طرف روانہ ہو جائے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ۔ مساجد کو بلند کرنے کا مفہوم کیا ہے۔ اس کے متعلق ایک رائے تو یہ ہے کہ اس کا مفہوم مجرد تعمیر کرنا ہے۔ تعمیر کے لئے بھی لفظِ رفع کنایۃً قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے جیسے سورہ بقرہ میں آیا ہے: وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ہے تعظیم و احترام ـــــ مسجد کو ہر نوع کی گندگی اور نجاست سے پاک رکھنا اور ہر قسم کے لغو کاموں اور لغو گفتگوؤں سے بھی اسے محفوظ رکھنا ـــــ تو ایک تعظیم و احترام ظاہری ہے جیسے کہ بیت الحرام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰکِفِیْنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوْدِ۔ "ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل (علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام) سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ میرے گھر کو پاک و صاف رکھیں گے طواف کرنے والوں کے لئے اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے اور وہاں رکوع و سجود کے لئے آنے والوں کے لئے۔" پھر یہ کہ وہ نجاستِ معنوی سے بھی پاک ہو، شرک کی آلودگیوں سے بھی پاک ہو: وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔ "مساجد صرف اللہ ہی کے لئے ہیں وہاں اس کے سوا کسی اور کو پکارا نہ جا رہا ہو۔" ایک رائے یہ ہے کہ بستی میں مسجد کی تعمیر بلند رکھی جائے تاکہ وہ دور سے نظر آئے اور اسے اس بستی میں نمایاں مقام حاصل ہو، وہ اس بستی کا مرکز محسوس ہو ـــ عربی بڑی فصیح و بلیغ زبان ہے۔ اس کے اکثر الفاظ معانی و مفاہیم کا گنجینہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ یہاں "ترفع" میں یہ تینوں ہی مفاہیم شامل ہیں۔

آگے چلئے: فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ۔ "اور ان گھروں میں ذکر کیا جائے اس کے نام کا" ـــــ یہاں ہمارے دین کی ایک جامع اصطلاح "ذکر" کا بیان ہوا۔ اس اصطلاح میں ہر نوع کا ذکر آگیا۔ نماز خود ایک ذکر ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ "نماز قائم کرو میرے ذکر/میری یاد کے لئے۔" پھر قرآن حکیم اپنے آپ کو "الذکر" اور "ذکریٰ" قرار دیتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا

الذِّكْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ - اور : وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ - قرآن خود کو "تذکرہ" بھی کہتا ہے : كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ " ——— گویا خود قرآن حکیم ذکرِ کامل اور ذکرِ مجسّم بھی ہے۔ ایک بڑی پیاری حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ وحفتھم الملئکۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ ——— "جب کبھی بھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوتے ہیں اس کی کتاب کے درس و تدریس اور افہام و تفہیم کے لئے تو ان پر سکینت کا نزول ہوتا ہے۔ رحمتِ الٰہی ان کو اپنے سائے میں لے لیتی ہے۔ فرشتے ان کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا ملأ اعلیٰ یعنی ملائکۃ المقربین کی محفل میں ان کا ذکر فرماتا ہے کہ اس وقت میرے کچھ بندے میرے ایک گھر میں صرف میری کتاب کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے جمع ہوتے ہیں"

آگے چلئے : فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۔ ان گھروں میں اس کی صبح کے وقت اور شام کے اوقات میں تسبیح کرتے ہیں ——— یہاں غُدُوّ مصدر ہے، اس کی جمع نہیں ہوتی، قرآن مجید میں یہ ہمیشہ واحد آتا ہے۔ آصال اصیل کی جمع الجمع ہے۔ اصیل کی جمع اُصُل اور اس کی جمع اصال ——— اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ صبح کے وقت تو فرض نماز ایک ہی ہے۔ لیکن سورج کے ذرا سے ڈھلنے کے بعد سے یعنی شام کے اوقات میں چار فرض نمازیں ہیں کہ جن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں آصال آیا جس کے معنی ہیں شام کے اوقات۔ اسی کی طرف اشارہ ہے سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت مبارکہ میں : اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۔ "سورج کے ذرا سے ڈھلنے کے بعد سے لے کر نماز کو قائم کرو رات کے تاریک ہو جانے تک" ——— اس میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء، چار فرض نمازیں آگئیں ——— اور "وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ" سے صلوٰۃ الفجر مراد ہے۔ اس طرح پنجگانہ فرض نمازوں کا ذکر ہو گیا۔ یہاں بھی یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ سے اصلاً مراد پنجگانہ فرض نمازیں ہیں، تبعاً جملہ مسنونہ تسبیحات بھی اس میں شامل ہیں ——— آج کے سبق کی پہلی آیت کی قدرے تشریح و توضیح یہاں ختم ہوئی۔

اب آگے چلئے، یہ کن لوگوں کا ذکر ہے! فرمایا : رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ "وہ جواں ہمت لوگ جنہیں غافل نہیں کر سکتی کوئی تجارت اور کوئی سودا ———

پہلے تو یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ رجالٌ سے یہاں صرف مردوں ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ تبعاً اس میں خواتین بھی شامل ہیں۔ پھر یہ کہ یہاں یہ لفظ کنایہ کے طور پر آیا ہے۔ مراد ہے باہمت لوگ ـــــ اس لئے کہ اس دنیا میں نہ معلوم انسان کے لئے کتنے PRESSURE ، کتنے دباؤ، کتنے موانع، کتنی تحریضات، کتنی ترغیبات، کتنی Temptations ہیں جن سے اسے مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اگر وہ اللہ کے ساتھ لو لگائے رکھنا چاہتا ہے تو اسے بڑی کشمکش سے سابقہ پیش آتا ہے، لہٰذا اللہ کی یاد سے غافل نہ ہونے کے لئے بڑی مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہے۔ کہیں تجارت آپ کو اپنے اندر گم کرلے گی ـــــ اب اس لفظ گم سے مجھے علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آیا۔ ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے ۔۔۔ مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

کہیں مومن دنیوی مشغولیتوں، مصروفیتوں اور دلچسپیوں میں گم ہو جائے گا ـــــ لہٰذا یہاں فرمایا گیا کہ نہ تجارت اسے اپنے اندر گم کر سکے گی اور نہ ہی کوئی سودا اور لین دین ـــــ تجارت عام ہے اور بیع خاص ہے۔ یہ عطف الخاص علی العام کی ایک مثال ہے۔ ویسے بھی بیع میں فوری طور پر کوئی منفعت پیش نظر ہوتی ہے۔ تجارت تو ایک سلسلہ ہے جو پھیلا ہوا ہے، لیکن جب کوئی سودا ہو رہا ہوتا ہے تو انسان محسوس کرتا ہے کہ اس سودے میں مجھے اس وقت کتنا نفع حاصل ہو رہا ہے اگر اذان کی آواز آگئی ہے تو کوئی بات نہیں۔ اگر جماعت چلی بھی جائے تو میں علاحدہ نماز ادا کرلوں گا۔ اس وقت یہ سودا چھوڑنا بڑے گھاٹے کا معاملہ ہو جائے گا ـــــ لیکن ان باہمت لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے: لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ انھیں غافل نہیں کر پاتی کوئی تجارت اور نہ کوئی سودا، اللہ کی یاد سے۔ یہاں ذرا ذہن میں لائیے سورہ منافقون کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت جس میں فرمایا گیا کہ اگر نفاق سے بچنا چاہتے ہو تو ہر دم ہر لحظہ اللہ کی یاد کا اہتمام کرو: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۔ اے اہل ایمان تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں، اگر ان میں منہمک ہو کر، ان میں مصروف ہو کر، ان میں مشغول ہو کر اللہ کی یاد سے غافل ہو گئے، اللہ ہی یاد نہ رہا تو جان لو کہ یہ بڑے خسارے کا سودا ہے۔ یہ بڑی ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جانے والی بات ہے۔

آگے چلئے ـ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَآءِ الزَّكٰوةِ ۔ دنیوی مصروفیات میں انسان اتنا گم نہ ہو جائے کہ اقامت صلوٰۃ کا اہتمام ہی نہ رہے اور مال کی محبت اتنی غالب نہ ہو جائے کہ زکوٰۃ ادا

کرنی بھی دو بھر نظر آنے۔ تزکیہ نفس کے لئے نہ صرف یہ کہ ہر سال نصاب کے مطابق زکوٰۃ دے بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی ایک بندہ مومن ابنائے نوع کی خدمت اور بھلائی میں صدقات دے بلکہ جیساکہ ہم آیت بِرّ کے مطالعے میں یہ حدیث پڑھ چکے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: ان فی المال لحق سوی الزکوٰۃ "تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی مستحقین کا حق ہے۔" اور بطور استشہاد آپؐ نے اس آیت مبارکہ (آیت برّ) کا یہ حصہ تلاوت فرمایا: وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ۔

آگے چلیے۔ فرمایا کہ اس سب کے باوصف ان کا معاملہ یہ نہیں ہے کہ ان میں اپنی دینداری کا کوئی تکبر، کوئی عُجب، کوئی پندار، کوئی گھمنڈ پیدا ہو جائے۔ ان تمام حسنات اور اعمال صالحہ کے باوصف ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ لرزہ براندام رہتے ہیں، کانپتے رہتے ہیں، لرزاں و ترساں رہتے ہیں اس دن کے خیال سے جس کی ہولناکی کا عالم یہ ہے کہ اس دن دل اُلٹ جائیں گے، آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ یہ کنایہ اور استعارہ ہے قیامت کی ہولناکی اور اس کے شدائد و مصائب کے لئے —— وہ دن کہ جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا: یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا۔ یہ باہمت لوگ اللہ سے لو لگانے اور ہر دم اس کی یاد کا التزام کرنے کے باوجود اس دن کے تصور سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں:

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ہ یہاں آج کے سبق کی دوسری آیت کا مختصر بیان تمام ہوا۔

آگے چلیے۔ اب آج کے مطالعے کی آخری آیت کو بھی سمجھ لیں۔ فرمایا: لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا۔ یہاں ابتدا میں جو لام حرف جار آیا ہے تو یہاں یہ لام عاقبت کے طور پر آیا ہے، مراد یہ ہو گی کہ ان سب کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے گا بہت عمدہ، بہت اعلیٰ، نہایت احسن ان کے اعمال کی —— یہاں احسن کا تعلق دونوں طرف ہو سکتا ہے۔ جزا کے لئے بھی احسن کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بہت عمدہ، اعلیٰ، احسن جزا دے گا۔ اور اعمال کو بھی احسن سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اچھے سے اچھے انسان کے تمام اعمال برابر اور مساوی قدر و قیمت کے تو نہیں ہوتے۔ پھر یہ کہ انسان سے کچھ کوتاہیاں اور خطائیں بھی سرزد ہو جاتی ہیں —— الانسان مرکب من الخطأ والنسیان —— انسان تو دو چیزوں کا پتلا ہے۔ اس سے غلطی کا صدور بھی ہو جاتا ہے، خطا کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے، بھول چوک بھی اس کی جبلت اور خمیر میں شامل ہے۔ تو اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اعمال میں سے جو چھوٹی

کے اعمال ہوں گے ان کے اعتبار سے ان کی جزا کا حساب لگایا جائے گا۔ ان کی جزا ان کے اعلیٰ ترین اعمال کی مناسبت سے مترتب ہوگی۔ جو کم تر درجے کے اعمال، وہ نظر انداز کر دیئے جائیں گے اور جو کوتاہیاں اور خطائیں ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ اپنی شان غفاری و رحیمی و ستاری سے ان کے نامۂ اعمال میں سے دھو دے گا، صاف کر دے گا، ڈھانپ لے گا۔ جیسا کہ ہم سورہ آلِ عمران کے آخری رکوع کے مطالعہ کے دوران دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ "میں لازماً ان کی برائیوں کو ان کے نامۂ اعمال سے محو کر دوں گا" وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اور میں لازماً ان کو ان باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں نہریں رواں دواں ہوں گی"۔ یا جیسے سورہ ہود میں یہ اصول بیان فرمایا: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ـــــ لہٰذا ان کا آخرت میں جو مقام اور مرتبہ معین ہوگا وہ ان کے اعلیٰ اور احسن اعمال کی نسبت، مناسبت اور ان کے اعتبار سے ہوگا۔

آگے چلیے۔ یہ جزا یعنی اجرت تو حساب کتاب سے ملے گی۔ جتنی محنت ہے، جتنی مشقت ہے اس کے مطابق جزا ملے گی۔ اس پر مزید ہے فضل جو اللہ تعالیٰ خاص اپنی طرف سے عنایت فرمائے گا چنانچہ فرمایا: وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو مزید عطا فرمائے گا۔ یہ فضل کسی استحقاق کی بنیاد پر نہیں ملتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی دین ہے اور یہ فضل کسی حساب کتاب کا پابند نہیں ہے بلکہ: وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ "اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے بلاحساب و کتاب"۔ اس فضل کے لئے کوئی حساب کتاب نہیں ہے بلکہ یہ فضل بلانہایت ہوگا۔ بِغَيْرِ حِسَابٍ سے یہاں یہ سب کچھ مراد ہے۔

اب یہاں تھوڑا سا توقف کر کے ہمارا جو سابقہ سبق تھا اس کے ساتھ آج کے اس سبق کو جوڑ کر ایک حقیقی بندہ مومن کی شخصیت کا ایک مکمل نقشہ اپنے ذہن میں قائم کر لیجیے ـــــ آپ کو یاد ہوگا کہ ہمارا سابقہ سبق سورہ آلِ عمران کی آخری چھ آیات پر مشتمل تھا۔ اس میں بھی ایمان کی ترکیب یعنی SYNTHESIS OF FAITH بیان ہوئی تھی کہ ایمان باللہ ایمان بالآخرہ اور پھر ایمان بالرسالت کیسے وجود میں آتا ہے! ـــــ پھر وہاں بندہ مومن کی شخصیت کا نقشہ، تصویر کے ایک رُخ کی حیثیت سے سامنے لایا گیا۔ وہ نقشہ کیا تھا؛ سعی و جہد، ایثار و قربانی، جہاد و قتال، صبر و مصابرت ـــــ چنانچہ آپ کو یاد ہوگا کہ وہ الفاظ تھے: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا "جن لوگوں نے

میرے لئے اپنا گھر بار چھوڑا، جو میرے لئے اپنے وطن سے نکال دیئے گئے، جنھیں میری راہ میں ایذائیں پہنچائی گئیں، تکلیفیں دی گئیں، جنھوں نے میرے لئے جہاد کیا قتال کیا، اور انھوں نے میرے دشمنوں کو قتل بھی کیا اور خود اپنی جانیں بھی دیں۔ قَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا۔ یہ ہے بندہ مومن کی زندگی کا ایک نقشہ ـــــ جدوجہد، کوشش و محنت، کشمکش و تصادم، صبر و ثبات، ایثار و قربانی، حتیٰ کہ نقد جان کے نذرانوں کا گزران، اسی تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہے۔ اس میں ذکر الٰہی کے ساتھ ایک قلبی اُنس، ایک محبت، دوامِ ذکر۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کو دل میں بھی مستحضر رکھنا اور اپنی زبان کو بھی اس کے ذکر سے تر و تازہ رکھنا۔ پھر نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرنا۔ اس میں ذوق و شوق، اس میں ذکر و شغل۔ پھر اس میں رقتِ قلبی، اس میں خوف اور خشیت الٰہی یہ نقشہ ہے جو آج کے سبق میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ جس طرح آپ کہتے ہیں کہ ایک تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں اور تصویر ان دونوں رخوں سے مکمل ہوتی ہے۔ اگر یک رُخا نقشہ سامنے رہے گا تو شخصیت بھی یک رخی رہے گی معاملہ رہے گا۔ ONE SIDED اصل میں ایک بندہ مومن کی شخصیت کے یہ دونوں رُخ ہیں جو مطلوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایک بندہ مومن کی شخصیت میں یہ دونوں رخ بیک وقت موجود ہوں۔ چنانچہ پوری امت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا جو امتیازی مقام ہے وہ ان دونوں مقامات پر بیان ہوا ہے۔ ان میں ہمیں یہ دونوں رنگ بکمال و تمام بیک وقت صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں نظر آتے ہیں، چنانچہ دشمنوں نے اس کی گواہی دی ہے ـــــ عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ الفضل ما شهدت به الاعداء "اصل فضیلت وہی ہے جس کی گواہی دشمن دیں"۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب سلطنتِ کسریٰ سے مسلح تصادم ہوا ہے تو ایرانی افواج کے جاسوسوں اور مخبروں نے مسلمانوں کی افواج کا خوب اچھی طرح جائزہ لے کر ایرانی سپہ سالار کو جو رپورٹ دی تھی، اس کے یہ الفاظ نہایت قابل غور ہیں اور ان کی ذہانت پر دلالت کرتے ہیں کہ: هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ ـــــ یہ عجیب لوگ ہیں، دن میں یہ شہسوار اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہیں اور یہی لوگ رات کے وقت راہب بن جاتے ہیں، مصلّوں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کے آنسوؤں سے ان کی سجدہ گاہیں تر ہو جاتی ہیں۔ یہ اپنے رب کے حضور الحاح و زاری میں اپنی راتوں کا بیشتر حصہ گزارتے ہیں ـــــ دنیا نے پہلے بھی راہب دیکھے تھے اور اب بھی دیکھے جاتے ہیں۔ وہ دن میں راہب ہیں تو رات میں بھی راہب۔ ان کو جنگ سے کیا سروکار! ـــــ اسی طرح پہلے بھی فوجیں ہوتی تھیں۔ آج بھی ہیں۔ پہلے بھی اور آج بھی

کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جہاں بھی فوجوں کا پڑاؤ ہو جاتے وہاں آس پاس کی کسی خاتون کی عصمت محفوظ رہنی مشکل ـــــ ان فوجیوں کی راتیں شراب و شباب سے شغل کرنے میں گزرتی تھیں اور گزرتی ہیں ـــــ جب کہ ان مومنوں کی راتیں اپنے رب کے حضور خشوع و خضوع میں بسر ہوتی ہیں۔

پس ایک بندہ مومن کی مکمل شخصیت "هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ" کے امتزاج سے وجود میں آتی ہے۔ فرسان بالنہار والا رُخ سورہ آلِ عمران کے آخری سبق میں ہمارے سامنے آیا تھا۔ رھبان باللیل کی صحیح تعبیر آج کے سبق سے سامنے آئی۔ اس طرح ایک بندہ مومن کی مکمل شخصیت کا ہیولیٰ ہمارے سامنے آجاتا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کسی ادنیٰ درجہ ہی میں سہی ان اوصاف کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے ـــــ اب اس ضمن میں اگر کچھ سوالات ہوں تو آپ بخوشی پیش کر سکتے ہیں۔

سوال و جواب

سوال: ڈاکٹر صاحب! کیا فکر کے ساتھ ذکر ضروری ہے۔؟

جواب: اس سوال کا اجمالاً جواب تو صرف "ہاں" میں ہے۔ لیکن آپ کو یاد ہو گا کہ سورہ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی چھ آیات کے سبق میں یہ بات تفصیل سے زیر بحث آچکی ہے۔ اس ضمن میں ایک سوال کے جواب میں بھی اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ اس سبق میں ہم نے پڑھا تھا۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ ذکر و فکر درحقیقت اسلام کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ جب یہ دونوں بیک وقت موجود ہوں اور حرکت میں ہوں، تب ہی گاڑی آگے بڑھے گی۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! اللہ تعالیٰ کا فضل تو ہر حال میں شامل ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہماری شعوری کوششوں کو کیا اہمیت حاصل ہے؟

جواب: سوال غیر واضح اور گنجلک ہے۔ بہر حال جو کچھ میں سمجھا ہوں اس کے مطابق جواباً عرض کئے دیتا ہوں کہ اصل میں ہماری شعوری کوشش ہی فضل الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کا اختیار مطلق ہے۔ وہ جس کو جو چاہے عطا فرمائے۔ وہ ابوجہل اور ابولہب کو بھی ایمان کی ہدایت فرما سکتا تھا۔ لیکن قرآن حکیم کے معروضی مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی چیز ہے انسان کا اپنا ارادہ اور اپنی نیت! اس کا اختیار انسان کو حاصل ہے کہ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی

تائید اور اس کی توفیق جب انسان کے شاملِ حال ہوتی ہے تو بیڑا پار ہوتا ہے۔ یہاں بھی ہم نے دیکھا کہ پہلے ان باہمت لوگوں کی اپنی طبیعت، اپنے ارادے، اپنی نیت اور اپنی کوشش کی کیفیات بیان ہوئیں کہ وہ یہ کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں۔ ان کی لَو اللہ کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ یادِ الٰہی سے ان کو اشتاق انس ہے۔ انتہائی مناسبت ہے پھر بھی وہ آخرت کی خشیت اور خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ لہٰذا اجر تو انھیں اپنے ان بہترین اعمال کی بنیاد پر ملے گا جن کے کسب میں ان کی شعوری کوششوں کا دخل ہوگا۔ البتہ اس راہ میں اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسانی اور تسہیل فرماتے گا۔ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى۔ اب اس اجرت کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا، اپنے فضلِ خاص سے مزید نوازے گا۔ اس کیلئے اللہ سبحانہٗ کسی حساب کتاب کا پابند نہیں ہے ــــ ایک سادہ سی مثال ہے۔ آپ نے ایک مقررہ وقت اور مقررہ اجرت پر کسی سے کوئی کام لیا۔ اس نے وہ کام نہایت اعلیٰ واحسن طریق سے انجام دے دیا، تو آپ مقررہ اجرت کے علاوہ اُسے بطور انعام جو چاہیں دے سکتے ہیں۔ اجرت سے زائد جو کچھ اُسے ملے گا وہ فضل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ ان دو اسباق میں ہمارے سامنے ایک بندۂ مومن کی مکمل شخصیت کے جو اوصاف آتے ہیں، ان تمام اوصاف کو ہم اپنے اندر بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ہماری طرف سے عزم و ارادہ ہوگا تو یقیناً توفیق، تائید اور تسہیل اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے شاملِ حال ہو جائے گی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ــــ

قارئین متوجہ ہوں!

ماہنامہ "میثاق" کے بعض مستقل خریداروں کی شکایت کے پیشِ نظر ادارے نے طے کیا ہے کہ آئندہ سے چندہ ختم ہو جانے کی اطلاع پیشگی طور پر دو ماہ قبل دے دی جایا کرے گی۔ تاکہ جو حضرات منی آرڈر بھیجنا چاہیں وہ بروقت منی آرڈر ہمیں ارسال کر دیں۔ اور اس طرح یہ تکلیف دہ صورت نہ پیش آئے کہ آپ کی جانب سے منی آرڈر بھیجا جا چکا ہو لیکن بروقت ہم تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہم یہاں سے رسالہ وی پی بھیج دیں (ادارہ)

قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات
اور
اُن کے بارے میں عُلماء کرام کے خدشات

محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے امسال رمضان المبارک کے تیسرے اور چوتھے اجتماعاتِ جمعہ میں مسجد دارالسلام میں "جہاد بالقرآن" کے موضوع پر تقاریر کی تھیں۔ آخری جمعہ کو مندرجہ بالا موضوع پر اظہارِ خیال فرمایا تھا جس کو معمولی حک و اضافے کے ساتھ کیسٹ سے منتقل کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ افضلھم سید المرسلین خاتم النبیین محمد الامین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد، قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی سورۃ یونس:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

وَقَالَ اللّٰہُ سبحانہٗ وتعالیٰ فی سورۃ البقرہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا ؘ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۝

وقال اللہ عزوجل فی سورۃ ال عمران:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۔ اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی ۔

اٰمین ۔ یارب العٰلمین

حضرات! پچھلے دو جمعوں سے میری گفتگو ایک موضوع پر چل رہی ہے جس کا جامع عنوان ہے "جہاد بالقرآن"[1] ـــــ اس ضمن میں، میں نے پہلے جمعہ میں تمہیدی طور پر اپنی ان باتوں کو ایک نئی ترتیب سے پیش کیا تھا جو بارہا میں آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ وہ باتیں یہ ہیں کہ قرآن مجید کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آلۂ انقلاب قرآن حکیم ہے۔ حضورؐ کی جدوجہد کو ہم اگر دو مرحلوں میں تقسیم کریں تو ایک مرحلہ مکی دور ہے۔ دوسرا مرحلہ مدنی دور ہے ـــــ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مدنی دور میں نمایاں ترین چیز تلوار ہے اور مکی دور کی نمایاں ترین چیز قرآن مجید ہے یہ وہ معنوی تلوار ہے جس نے نظریاتی اور اعتقادی سطح پر شرک، کفر، الحاد اور زندقہ کا قلع قمع کیا۔ مدنی دور کی تلوار حقیقی تلوار ہے، جس نے مشرکین و کفار کے ساتھ نبرد آزمائی کی ـــــ اصل میں یہ دو تلواریں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمائی تھیں بمصداق آیتِ سورہ حدید: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ۔ یہی سبب ہے اس بات کا کہ ہمارے تحت الشعور میں ایک بندۂ مومن کی شخصیت کا جو ہیولیٰ ہے اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں تلوار نظر آتی ہے۔ ہمیشہ سے یہ ایک تصور ہے جو ہمارے اجتماعی تحت الشعور میں موجود ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ جب اسی طرح میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ، آپؐ کی بائیس تیئیس سالہ جدوجہد اور آپؐ کے انقلابی عمل پر غور کیا تو یہی دو اہم مراحل میرے سامنے آتے

---

[1] ان شاءاللہ العزیز یہ تقاریر مستقبل قریب میں کتابی شکل میں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی، جہاد بالقرآن کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف کی محاضرات قرآنی والی تقریر کی پہلی قسط گزشتہ شمارہ میں شائع ہو چکی ہے اور دوسری قسط اس شمارے میں شائع کی جارہی ہے (ادارہ)

ان کو بھی میں بار ہا بیان کر چکا ہوں۔ حضورؐ نے آغاز وحی کے بعد توحید کے انقلابی نظریہ کی تن تنہا تبلیغ و دعوت کا آغاز فرمایا۔ اس کا اصل آلہ تھا قرآن مجید ـــــ آپؐ کی تمام مساعی کا قرآن مجید ہی محور و مدار تھا۔ جو سعید روحیں آپؐ پر ایمان لائیں، آپؐ نے ان کی تربیت و تزکیہ فرمایا، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ انھیں منظم فرمایا اور اس طرح ایسے سعید و متقی افراد کی ایک جماعت، ایک جمعیت تیار فرمائی جن کے قلوب میں ایمان و یقین اس طور سے پیوست اور نقش ہو گیا کہ ان کے اندر دینِ توحید کے لئے تن من دھن قربان کرنے کا جذبہ۔ اس راہ میں پیش آنے والے بڑے سے بڑے مصائب و شدائد کو برداشت کرنے کا عزم اور حوصلہ۔ راہ حق میں جام شہادت نوش کرنے کا ذوق و شوق۔ یہاں تک کہ اگر اللہ کے دین کے لئے گھر بار، بیوی بچے، اعزہ و اقارب کو چھوڑنا پڑے تو اس کیلئے ہمہ تن آمادگی ـــــ الغرض ایثار و قربانی کے وہ عزائم جو کسی انقلابی تحریک کے لئے لابد ہوتے ہیں، ان میں اپنے نقطۂ عروج و کمال کو پہنچے ہوئے تھے ـــــ پھر یہ کہ اپنے ہادی اور رہنما صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ بھی اس جماعت کے ہر فرد کے لئے حکم کے درجہ میں تھا کہ جو بات آپؐ نے فرما دی اس پر سر تسلیم خم ہے۔ اس پر نورٌ علیٰ نور یہ بات کہ یہ رویہ اور طرزِ عمل صرف رضائے الٰہی کے پیشِ نظر تھا ـــــ جدید اصطلاح کے بموجب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایسے فدائین اور جاں نثاروں کی جماعت تھی جو مکمل طور پر COMMITTED افراد پر مشتمل تھی۔ پھر یہ کہ سمع و طاعت (DISCIPLINE) کا نظام بکمال و تمام موجود تھا۔ ساتھ ہی جماعت کے ہر فرد کا تزکیہ نفس اس کمال تک ہو گیا تھا کہ جتنے بھی نفسِ انسانی کے رذیل تقاضے ہیں، شہوات و لذات کے جو ناشائستہ داعیات ہیں، دل کے جو امراض ہیں، اخلاق کے جو ذمائم ہیں، ان سب سے انہوں نے اپنے قلوب و نفوس کو پاک کر لیا تھا اور ان پر قابو پا چکے ہو گئے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی جماعت کے اوصاف کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ان کی مدح فرمائی ہے۔

اس سے اگلا مرحلہ یہ ہے کہ اس جماعت نے جد و جہد کی، قربانیاں دیں، کفر کی طاقت سے پنجہ آزمائی کی۔ مقاتلہ کیا، یُقٰتِلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ۔ انہوں نے کفار کو قتل بھی کیا اور خود بھی اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ اس اجتماعی جد و جہد کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جزیرہ نمائے عرب میں انقلاب برپا کر دیا۔ لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہ جماعت کیسے وجود میں آئی! تو یہ درحقیقت جہاد بالقرآن کے ذریعہ وجود میں آئی ـــــ قرآن کے ذریعہ دعوت، قرآن کے ذریعہ تذکیر، قرآن کے ذریعہ انذار و تبشیر، قرآن کے ذریعہ تزکیہ نفس۔ راتوں کو کھڑے رہو قرآن کے ساتھ۔ پوری رات

کھڑے رہو یا دو تہائی یا نصف یا ایک تہائی، قرآن کے ساتھ: وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ. رات کا ایک حصہ جاگ کر گزارو، اس قرآن کے ساتھ۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ یہ قرآن ہے قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ اللہ کی طرف سے نازل کردہ وعظ اور نصیحت بھی یہ قرآن ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اور ہم جو یہ قرآن نازل کر رہے ہیں تو یہ اہل ایمان کے لئے شفا ہے اور رحمت ہے ——— پس معلوم ہوا کہ اس جماعت کی تیاری میں مرکز و محور قرآن رہا ہے۔ قرآن کو اس کا ذریعہ کہہ لیں، اس کا ہتھیار کہہ لیں، اس کا آلہ کہہ لیں، اس کا نسخہ کہہ لیں، یہ سب باتیں قرآن پر راست آئیں گی۔ مولانا حالی نے کیا خوب کہا ہے:

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ۔۔۔ اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

یا بقول علامہ اقبال

مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزیں ۔۔۔ قوم و آئین و حکومت آفریں

میں نے دوسرے جمعہ کی تقریر میں وہ پانچ محاذ گنوائے تھے جن پر اس وقت دینی اعتبار سے جدوجہد اور کش مکش کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی میں نے عرض کیا تھا کہ ان پانچوں محاذوں کے لئے اصل ہتھیار، اصل تلوار قرآن ہے۔ ان محاذوں پر جہاد بالقرآن ہوگا، چاہے وہ جاہلیت قدیمہ کا محاذ ہو جس میں مشرکانہ اوہام ہیں، بدعات ہیں، شفاعت باطلہ کا تصور ہے۔ اس کا توڑ ہوگا تو صرف قرآن سے ــ اور میں نے عرض کیا تھا کہ محض دورۂ ترجمۂ قرآن اس کے لئے بہت کافی ہے۔ دوسرا محاذ جاہلیت جدیدہ کا محاذ ہے۔ یعنی الحاد ہے، مادہ پرستی ہے، ہر اس چیز کا انکار ہے جو انسان کے حواس کی گرفت میں نہ آسکے جو VERIFIABLE نہ ہو۔ اس کے لئے بھی تلوار قرآن ہے، لیکن یہ ذرا محنت طلب معاملہ ہے کہ قرآن کی حکمت اور اس کے فلسفے کی گہرائیوں میں ڈوب کر، غوطہ زنی کرکے علم و حکمت کے موتی نکالنے ہوں گے۔ معرفت الٰہی کے جو حقائق فطرتِ انسانی میں جبلی طور پر مضمر ہیں، انکو قرآنی فطری استدلال کے ذریعے شعور کی سطح پر لانے کی کوشش کرنی ہوگی۔ بدیہیاتِ فطرت کو اپیل کرکے باطل کا ابطال کرنا ہوگا۔ اور دورِ جدید کی اصطلاحات کے ذریعہ قرآنی طرزِ استدلال کا ابلاغ کرنا ہوگا۔ یہ کام اگر نہیں کریں گے تو جاہلیت جدیدہ کا مقابلہ نہایت مشکل ہوگا ــ تیسرے محاذ کے لئے میں نے عرض کیا تھا کہ بے یقینی اور تذبذب کی کیفیت ہے اس کا علاج ہے صحبت اصحاب یقین۔ بقول شخصے صحبتِ صالح ترا صالح کند، یہ سب سے

زیادہ آسان اور سہل ذریعہ ہے۔ لیکن یہ اصحاب یقین کہاں سے آئیں گے! یہ بھی قرآن کے ذریعے ایسے لوگ جب قرآن میں غوطہ زنی کرتے ہیں تو وہ محسوس کرتے ہیں کہ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے، جو تعلیمات پیش کر رہا ہے، جو استدلال کر رہا ہے۔ وہ ان کی بدیہیاتِ فطرت کے مطابق ہیں، یہ حقائق ان کے باطن میں مضمر ہیں، قرآن ان کو واشگاف اور منکشف کر کے تحت الشعور سے شعور کی سطح پر لا رہا ہے۔ اس طرح قرآن ان کا باطنی تجربہ بن جاتا ہے۔ جیسے میں نے مثال دی تھی کہ آپ کو معلوم ہے کہ چینی میٹھی ہوتی ہے۔ یہ علم الیقین ہے۔ لیکن جب آپ نے اسے چکھا تو آپ کے اس تجربے نے بھی بتا دیا کہ واقعی چینی میٹھی ہے۔ تجربہ سے جو یقین حاصل ہوتا ہے اس کا نام ہے حق الیقین — چنانچہ قرآن حکیم پر حق الیقین انسان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ قرآن حکیم پر غور و فکر اور تدبر میں منہمک ہوتا ہے۔ اس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرتا ہے تو اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے وہ میرے دل کی آواز ہے۔ میری فطرت اس سے مطابقت رکھتی ہے میرا قلب و ذہن اسے مان رہا ہے اور قبول کر رہا ہے۔ اس احساس سے وہ حقیقت وہ یقین پیدا ہوتا ہے جسے حق الیقین کہا جائے گا۔ اسی کو علامہ اقبال نے اپنے لیکچرز میں INTERNAL EXPERIENCE کہا ہے جیسے ہمارا EXTERNAL EXPERIENCE ہوتا ہے کہ ہم نے آگ پر رکھے ہوئے کسی توے کو چھوا تو فوراً تجربہ ہو گیا کہ تو آگرم ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی — اسی طریقہ سے جب قرآن مجید پر غور و تدبر کرنے والا شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تو میری اپنی فطرت کی ترجمانی ہے۔ اس شعر کے مصداق ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا — میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا

اس طور سے قرآن مجید پر حق الیقین پیدا ہوتا ہے۔

چوتھے محاذ کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ وہ ہمارے سامنے فرقہ واریت کا محاذ ہے۔ اس فرقہ واریت کی شدت کو کم کرنے اور غیریت کو ختم کرنے کے لئے ہمیں کوئی ایسی بنیاد، کوئی ایسی جڑ، کوئی ایسا مرکز درکار ہے۔ جو ذہنی ہم آہنگی پیدا کرے۔ پھر یہی ذہنی ہم آہنگی لوگوں کے اندر آپس میں قرب اور وابستگی کا ذریعہ بنے۔ یہی مفہوم حبل اللہ کا ہے۔ میں بارہا یہ عرض کر چکا ہوں کہ حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ وقت کی کمی کے باعث میں اس وقت قرآن مجید کے حبل اللہ ہونے کے احادیث صحیحہ سے دلائل پیش نہیں کر سکوں گا — یہ دلائل آپ کو میری بہت سی تالیفات میں مل جائیں گے۔ اسی کی تفہیم کے لئے میں نے آغاز میں سورہ آلِ عمران کی ایک آیت کے پہلے حصے کی

تلاوت کی تھی: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا۔

پانچواں محاذ ہماری نفس پرستیاں ہیں، شیطان کی وسوسہ اندازیاں ہیں۔ ہمارے نفس کے متعلق قرآن مجید ہمیں متنبہ کرتا ہے: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اور بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ہمارا نفس عادی ہو چکا ہوتا ہے لذت کوشیوں کا، حرام خوریوں کا، غلط کاموں کی ہمیں عادتیں پڑ گئی ہیں۔ تو ان تمام برائیوں کے لیے جو تلوار ہے وہ قرآن مجید ہی ہے۔ اس مضمون پر مجھے علامہ اقبال کے یہ اشعار بہت ہی پسند ہیں جو بارہا میں آپ کو سنا چکا ہوں

کشتن ابلیس کارے مشکل است — زانکہ او گم اندر اعماق دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی — کشتہ شمشیر قرآنش کنی

معلوم ہوا کہ اس محاذ کے لئے بھی ہمارے پاس تلوار قرآن مجید ہے — لہٰذا ان پانچوں محاذوں پر ہمیں قرآن کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔

آج میں ایک نہایت اہم لیکن بہت پیچیدہ مسئلہ پر گفتگو کا آغاز کر رہا ہوں۔ آج میری تقریر کا اصل موضوع یہی مسئلہ ہے۔ اب تک جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ پچھلے دو جمعوں کی تقاریر کا خلاصہ بھی ہے اور آج کی تقریر کے لئے بمنزلہ تمہید بھی۔

مسئلہ یہ ہے کہ عرصے سے میرے ذہن میں ایک بڑا سوال بلکہ اشکال رہا ہے — میں نے جتنا قرآن کو پڑھا اور اس پر اپنی استعداد کے مطابق اس پر غور و فکر کیا، پھر سیرت مطہرہ کا معروضی مطالعہ کیا حضورؐ کی حیات طیبہ جن جن مراحل اور ادوار سے گزری ہے ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج عمل اور انقلابی پہلو کو سمجھنے کے لئے سوچ بچار کیا تو اس نتیجہ تک پہنچا کہ قرآن مجید کو مرکز و محور بنا کر ایک دعوت کا آغاز کیا جائے اور ایک خالص اسلامی انقلابی تحریک برپا کرنے کی سعی و جہد کی جائے — جس کے لئے دلائل میں تفصیل سے پچھلے دو جمعوں میں بیان کر چکا ہوں اور ان کا ملخص آج بھی میں نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے — مجھے کچھ بزرگ ہستیوں کی طرف سے اس کی بھرپور تائید بھی ملی — میں نے کئی بار عرض کیا ہے اور آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں اور اس میں مجھے ہرگز باک نہیں ہے — میرے نزدیک چودھویں صدی ہجری کی دو عظیم ترین شخصیتیں گزری ہیں۔ نہ صرف برصغیر پاک و ہند کی حد تک بلکہ میرے اندازے کے مطابق پورے عالم اسلامی کی حد تک — ان میں سے ایک علامہ اقبال ہیں، جو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم سے نکل کر آتے ہیں جنھوں نے قدیم و جدید مکاتیب فکر کا معروضی مطالعہ کیا

چنانچہ اسی لئے انہوں نے کہا ہے۔ ؎

عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں　　کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

اور دوسری شخصیت ہیں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمود الحسن دیوبندی ـــــ جو دار العلوموں کی فضا سے نکلے تھے اور جو علمائے حقانی کی صحبت یافتہ اور فیض یافتہ تھے ـــ یہ ہیں میرے نزدیک دو عظیم ترین شخصیتیں۔ ان میں سے میں حضرت شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو چودھویں صدی کا مجدد مانتا ہوں۔ ان دونوں کی طرف سے مجھے تائید ملی۔ علامہ اقبال کے اشعار بارہا آپ کے سامنے میں نے پیش کئے ہیں، مثلاً ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن　　نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

معلوم ہوا کہ ہمارے سامنے تجدید و احیائے دین کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم قرآن حکیم کی طرف رجوع کریں۔ چنانچہ علامہ نے کتنے پُرتاثیر اسلوب سے کہا ہے۔ ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی　　شکوہ سنج گردش دوراں شدی

اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ　　در بغل داری کتاب زندۂ

امت مسلمہ کے زوال کا سبب قرآن سے دوری و مہجوری ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس کتاب زندہ پر عمل پیرا ہو جو وہ بغل میں دبائے بیٹھا ہے یا اسے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ یہی عصائے موسیٰؑ ہے جو ہمارے پاس ہے۔ بلکہ میں بلا ارادہ تنقیص یہ عرض کروں کہ عصائے موسویؑ کی قرآن کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ چونکہ عصائے موسیٰؑ کی معجز نمائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رخصت ہوئی جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا معجزہ قرآن مجید آج بھی زندہ ہے اور تا قیام قیامت زندہ و پائندہ رہے گا۔ اس کا یہ چیلنج جو چودہ صدی قبل دیا گیا تھا، قیام قیامت تک قائم و باقی رہے گا: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔

علامہ اقبال کی ملی و خالص اسلامی ولولہ انگیز شاعری سے تو میں زمانہ طالب علمی ہی سے روشناس

لہ محترم ڈاکٹر صاحب کی مشہور تالیف "علامہ اقبال اور ہم" میں ایک مستقل باب "اقبال اور قرآن" کے عنوان سے شامل ہے جس میں علامہ نے قرآن حکیم کے بارے میں جن جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہے اس سے متعلق اکثر اردو اور فارسی کے اشعار شامل ہیں (مرتب)

تھا۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ کے متعلق مجھے بہت بعد میں معلوم ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب وہ ۱۹۲۰ء میں اسارت مالٹا سے رہائی پاکر وطن واپس آئے ـــــ انگریزوں نے حضرت کو اس وقت چھوڑا تھا جب وہ ٹی بی کی تھرڈ اسٹیج کو پہنچ چکے تھے، ورنہ وہ اس مردِ حق پرست کو کب چھوڑنے والا تھا۔ تو حضرت شیخ الہندؒ نے دارالعلوم دیوبند میں ایک عظیم بات ارشاد فرمائی۔ یہ عظیم بات روایت کی ہے مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم نے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے۔ علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا، اس وقت فرمایا کہ "ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں"۔ یہ الفاظ سُن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسّی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ (حضرت شیخ الہندؒ نے) فرمایا:

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے"۔

یہ عوامی درسِ قرآن کا لفظ ہم تک نہ پہنچتا اگر مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس کو بیان نہ کرتے ان کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ وہ پاکستان کے مفتی اعظم تھے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۲۰ء میں یہ لفظ "عوامی" استعمال فرمایا جب کہ یہ لفظ عوام وخواص میں سے کسی کی زبان پر آیا نہیں تھا۔ جیسا کہ 'عوامی' کا لفظ ہمارے دور میں عام ہوگیا ہے۔ لیکن آج سے قریباً چونسٹھ ۶۴ برس قبل "عوامی درسِ قرآن" کا لفظ حضرت شیخ الہند نے استعمال کیا۔ یہ بھی ان کی دور بینی اور دور اندیشی کی دلیل ہے۔ GENIUS اُسی کو کہتے ہیں جو بہت بعد کے حالات کو دیکھ رہا ہو۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہندؒ کی اس بات پر بڑا خوبصورت اور بڑا موزوں تبصرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا اور جن حوادث وآفات سے دوچار ہیں، اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو ان کے سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گے، قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔ غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے، قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو یہ خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی۔"

واقعتہً حضرت شیخ الہندؒ اور مفتی محمد شفیعؒ کے خیالات و آراء سے مجھے بڑی تقویت ملی کہ میں نے اپنے غور و فکر اور سوچ بچار کے نتیجے اور تحت الشعور میں علامہ اقبال کی ولولہ انگیز اسلامی شاعری کے تأثر کی بدولت دعوت رجوع الی القرآن کا جو کام شروع کر رکھا ہے اس کی تائید استاذ الاساتذہ شیخ الشیوخ اور میری رائے کی حد تک چودھویں صدی کے مجدد نیز مفتی اعظم پاکستان کی آراء سے حاصل ہو گئی۔ فللّٰہ الحمد والمنہ۔/

ایک طرف تو صورتِ حال یہ تھی، دوسری طرف مجھے شروع ہی سے ایک دوسرے تجربے سے مسلسل سابقہ پیش آتا رہا۔ مجھے یہ کام کرتے ہوئے تقریباً بیس سال ہونے کو آئے اور میں نے اس کا آغاز اسی آپ کے شہر لاہور سے کیا تھا۔ میں بحمد اللہ اسی کام میں مسلسل لگا ہوا ہوں۔ میں نے تو بہر حال اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ تجربہ یہ ہوا کہ جیسے جیسے کام اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سے آگے بڑھنا شروع ہوا تو ویسے ویسے چند علماء کی طرف سے کچھ مخالفت بھی شروع ہو گئی۔ ان کی جانب سے کچھ اندیشوں کچھ خطروں کا اظہار ہونے لگا کہ یہ دعوت کیا ہے! کہیں قرآن کا نام لے کر کوئی نیا فتنہ تو نہیں اٹھ رہا! میں حیران ہوتا تھا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ پھر یہ کہ مخالفت صرف ایسے علماء کی طرف سے نہیں تھی کہ جن کے بارے میں لوگوں کی رائے اچھی نہ ہو بلکہ ثقہ علماء، وہ جن کا میرے اپنے دل میں بھی بڑا احترام ہے۔ جن کے ساتھ میرا حسنِ عقیدت کا معاملہ ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ سب کے سب کچھ الرجک (ALLERGIC) ہیں، قرآن کے نام کی دعوت سے بہت گھبراتے ہیں۔ انھیں کچھ اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن، قرآن، قرآن کا جو لفظ لیا جا رہا ہے تو کہیں یہ انکار سنت والی بات نہ ہو جائے۔ کہیں حدیث کا انکار تو کرنے نہیں چلے ——— تو اس طرح کا کچھ تجربہ مسلسل ہوا اور یہ میرے لئے ایک پریشانی کا موجب

تو رہا لیکن میں بحمد اللہ کام میں لگا رہا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مزاج کچھ ایسا دیا ہے اور آج سے نہیں بلکہ بچپن سے دیا ہے کہ جو بات حق معلوم ہو، اس پر ڈٹے رہو ـــــ میری عمر چوبیس برس کی تھی، جب میں نے جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ ماچھی گوٹھ میں کھڑے ہو کر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم سے جماعت کے انقلابی طریقہ کار کو چھوڑ کر انتخابی طریق کار اختیار کرنے کی پالیسی سے ڈٹ کر اختلاف کیا تھا۔ مولانا مرحوم میرے والد کی عمر کے تھے، پھر میرے محسن بھی تھے۔ کہ ان کی تصانیف کے مطالعہ سے مجھے دین کا صحیح مفہوم اور ایک مسلمان کی دینی ذمہ داریوں کا شعور حاصل ہوا تھا۔ جس پر محکم یقین مطالعہ قرآن سے حاصل ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک مزاج دیا ہے کہ جو بات سمجھ میں آتی ہے اس کا برملا اظہار کیا جاتے۔ لہٰذا مولانا مودودی مرحوم کی انتخابی سیاست کے موقف پر میں نے جماعت اسلامی کا رکن رہتے ہوئے اپنا اختلافی موقف دلائل کے ساتھ تحریری شکل میں بھی پیش کیا اور ماچھی گوٹھ میں اسٹیج پر کھڑے ہو کر بھی ـــــ اگر کوئی دلیل سے میری رائے اور میرے موقف کو غلط ثابت کر دے تب تو میں فوراً ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہوتا ہوں اور اپنی غلطی تسلیم کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا لیکن اگر کوئی اسے دلیل سے غلط ثابت نہیں کرتا تو مجھے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہوتی کہ میری بات کی کون مخالفت کر رہا ہے۔ کسے باشد۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے یہ مزاج دیا ہے۔ میں نے جہاں تک اپنے مزاج اور اپنی طبیعت کی گہرائی میں جا کر ٹٹولا ہے PROBE کیا ہے تو میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ مجھ میں انانیت اور عجب نہیں ہے اور میں شعوری طور پر اپنے رب سے پناہ طلب کرتا رہتا ہوں کہ وہ مجھے اس روگ سے محفوظ رکھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عجب مہلکات میں سے سب سے زیادہ مہلک اور شدید مرض ہے۔

اس اعتبار سے میرا جو مزاج ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں مسلسل یہ سوچتا تو ضرور رہا کہ آخر علماء کرام کو یہ الرجی کیوں ہے! وہ کیوں بدظن ہیں! کیوں ان کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ کچھ اندیشے اور خدشات محسوس کرنے لگتے ہیں؟ لیکن چونکہ کوئی ٹھوس بات سامنے نہیں آئی تو میں اپنی دھن میں لگا رہا۔ کام میں، میں نے قطعاً کوئی ڈھیل نہیں آنے دی۔ لیکن مجھے پچھلے سال کے دوران اس معمے کا حل مل گیا اور علماء کرام کے طرز عمل اور رویہ کا سبب میری سمجھ میں آگیا۔

لہ یہ بیان "تحریک جماعت اسلامی ـ ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے مطبوعہ موجود ہے (مرتب)

ہمارے علماء کی طرف سے بالخصوص ان کی طرف سے جن کا ہمارے قدیم دینی حلقوں سے تعلق ہے، جن اندیشوں اور خدشات کا اظہار ہوتا ہے۔ اصل میں اس کا سبب ان کا ایک طویل تجربہ ہے۔ وہ تجربہ یہ ہے کہ ماضی بعید و قریب میں مسلمانوں میں جتنی بھی گمراہ تحریکیں اٹھیں، وہ سب قرآن کا نام لے کر اٹھیں۔ چکڑالویت اٹھی قرآن کے نام پر ——— اسی طریقہ سے پرویزیت اٹھی قرآن کے نام پر ——— اور تو اور قادیانیت اٹھی قرآن کے نام پر۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے کام کی ابتداء قرآن کی عظمت کے بیان سے کی۔ ان گمراہ تحریکوں کی تکنیک (Technique) اور طریق کار (METHODOLOGY) کو میں آگے چل کر قدرے تفصیل سے ذکر کروں گا ———

ان سب سے پہلے بہت سی گمراہیوں کا سرسید احمد خاں نے آغاز کیا۔ قرآن کے نام پر ——— تو معلوم ہوا کہ پے بہ پے اتنے چرکے لگے ہیں اور علماء کو ایسے غلط تجربات ہوتے ہیں کہ جیسے ہمارے یہاں ایک کہاوت ہے کہ "دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے" یا ایک دوسری کہاوت ہے کہ "جو سانپ سے ڈسا ہو وہ رسّی سے ڈرتا ہے" یہی انداز اب ہو گیا ہے اور ایک عقدۂ لاینحل بن گیا ہے کہ ہمارے دینی حلقوں کا یہ مزاج ہے کہ قرآن کے نام پر اٹھنے والی کسی بھی دعوت اور تحریک کے بارے میں ان کو فوراً ایک خطرہ، ایک اندیشہ اور ایک سُوءِ ظن لاحق ہو جاتا ہے اور ان کی جانب سے خدشات کا برملا اظہار ہونے لگتا ہے جو مخالفت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ سابقہ غلط تجربات کی بنیاد پر ان کا اس قدر الرجک ہو جانا بڑی حد تک قابل فہم ہے۔

علمائے کرام کے بارے میں، میں یہ بات صاف صاف عرض کرتا ہوں کہ ان حضرات کا احترام ملحوظ رکھنے اور ان سے حسنِ عقیدت رکھنے کے باوصف میں ان کے بارے میں نہ خود کسی غلو اور افراط و تفریط میں مبتلا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات مبتلا ہوں۔ ہمارے یہاں جو علماء پائے جاتے ہیں، ان میں علمائے حق بھی ہیں اور علمائے سُوء بھی۔ علمائے سوء سے کوئی زمانہ کبھی خالی نہیں رہا۔ علمائے سوء اس زمانے میں بھی سرکار دربار سے بھی متعلق رہے اور عوام الناس سے بھی جو زمانہ ہمارے دور سے کئی اعتبارات سے کہیں بہتر تھا۔ دنیادار ہی اور اصحاب اختیار و اقتدار کی خوشنودی کے حصول کا معاملہ بہرحال ہر دور میں رہا ہے ——— امام دارالہجرہ امام مالک کی جب مشکیں کس کر، منہ پر سیاہی مل کر گدھے پر سوار کر کے مدینہ کی گلیوں میں گھمایا گیا تھا جب امام اعظم امام ابوحنیفہ کو جیل میں ڈالا گیا تھا، جب امام شافعی کے لئے بار بار شہر بدر ہونے کے احکام جاری ہوتے رہتے

تھے، جب امام احمد بن حنبل کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں اور وہ مار سہنی پڑی تھی کہ اگر ہاتھی کو بھی اس طرح مارا جائے تو وہ بھی بلبلا اٹھے، جب امام ابن تیمیہ کو جیل میں ڈالا گیا، وہیں انھوں نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی، جب مجدد الف ثانی سید احمد سرہندی کو قید کیا گیا، اور جب چند خوانینِ سرحد نے بیعت قبول کرنے کے باوصف بھی غازی و مجاہد سید احمد بریلوی سے غداری کی، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، تو کیا آپ کے خیال میں ان تمام افعال کی پشت پر علمائے سوء کے فتاویٰ موجود نہیں تھے جو وقت کے صاحبانِ اقتدار و اختیار کی خوشنودی کے لئے دیئے گئے تھے!—— تو دنیادار اور فتویٰ فروش علمائے سوء ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ ہمارا زمانہ تو ظاہر بات ہے کہ فتنہ کے اعتبار سے اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو پیشگی متنبہ فرما دیا تھا کہ یوشک ان یأتی علی الناس زمان: "اندیشہ ہے کہ لوگوں کو ایک ایسے زمانے اور دور سے سابقہ پیش آئے گا": لا یبقی من الاسلام الا اسمہ: "اسلام پر عمل ختم ہو جائے گا صرف اس کا نام رہ جائے گا" ولا یبقی من القرآن الا رسمہ: "اور قرآن پر عمل ترک ہو جائے گا، اس کی بطور رسم تلاوت باقی رہ جائے گی" مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدی "مسلمانوں کی مسجدیں (بظاہر) آباد ہوں گی لیکن (بباطن) ویران اور (حقیقی) ہدایت سے خالی ہوں گی" علماءھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود—— حدیث کا یہ حصہ میری آج کی تقریر سے متعلق ہے۔ حضور نے خبر دی کہ آسمان کے نیچے مسلمانوں کی بدترین مخلوق علماء ہوں گے، سارے فتنے ان ہی میں سے اٹھیں گے اور ان ہی میں لوٹ جائیں گے" اس اعتبار سے ہمارے یہاں علمائے سوء بھی ہیں اور کثرت سے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں یہ انتباہ فرمایا جس کا میں نے ابھی ذکر کیا وہاں یہ بشارت بھی دی کہ علمائے حقانی سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہے گا۔ یہ ضمانت دی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: لا تزال طائفۃ من امتی قائمین علی الحق: "میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم رہے گا" ظاہر بات ہے کہ علمائے حق کے بغیر دین کا کوئی تصور ہی نہیں۔ لہٰذا ہر دور، ہر زمان، ہر مکان میں علمائے حقانی بھی لازماً موجود رہیں گے۔ پس یہ دونوں چیزیں اپنی جگہ پر ہیں۔ جہاں تک علمائے سوء کا معاملہ ہے، فتویٰ فروش مولوی ہوں یا اسی طرح کے جو گھٹیا کردار کے لوگ ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، ان کی باتوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر علمائے حق کی طرف سے تشویش کا اظہار ہو، اگر بعض بھی خطرات و خدشات اور اندیشے محسوس ہوں

تو یقیناً قابلِ غور مسئلہ ہے۔ ان علماءِ حق کی تشویش اگر وہ شخص نظر انداز کر دے گا جو خادمِ دین ہو، خادمِ قرآن ہو، خادمِ ملت ہو تو وہ اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارے گا کسی اور کا نقصان نہیں کرے گا آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ پچھلے جمعہ میں نے عرض کیا تھا کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے ہم خیال دس بیس یا سو پچاس پیدا کر کے دنیا سے چلا جائے تو یہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس میں ذرا سی ذہانت ہو، صلاحیت ہو۔ کچھ نہ کچھ لوگ اُسے مل جائیں گے جو اس کے حواریین بن جائیں گے۔ لیکن اگر کسی شخص کے پیشِ نظر یہ ہے کہ دین کی ایک ہمہ گیر دعوت اٹھا کر اقامتِ دین اور اسلامی انقلاب کے لئے جدوجہد کرے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ کوئی کودن اور احمق ہی شخص ہو گا جو یہ سمجھتا اور توقع رکھتا ہے کہ علمائے حق کی اشیر باد کے بغیر، علمائے حقانی کی تائید و تعاون کے بغیر، ان اہلیانِ علم و فضل، ان متقیانِ دین کی دعاؤں کے بغیر کوئی ایسی تحریک پروان چڑھ سکے اور نتیجہ خیز ہو سکے۔ ایسے شخص کے لئے اگر وہ مخلص ہے ان علمائے حقانی کا اعتماد حاصل کرنا لازم ہے۔ میں اس مسئلہ پر برابر اور مسلسل غور کرتا رہا کہ آخر کیا بات ہے کہ جن حضراتِ گرامی کو میں علمائے حق گردانتا ہوں، جن سے حسنِ عقیدت رکھتا ہوں، مجھے ان کا تعاون حاصل کیوں نہیں ہو رہا۔ بلکہ دبی دبی زبان سے اور کبھی برملا ان کی طرف سے اختلاف کا اظہار ہو رہا ہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور یہ عقدہ کھل گیا کہ ان علمائے حقانی کے خدشات کا سبب وہ گمراہ کن نظریات اور تحریکیں ہیں جو اس برصغیر پاک و ہند میں قریباً ایک صدی کے دوران وقتاً فوقتاً قرآن کے نام پر اٹھتی رہی ہیں۔ میں ان کی طرف ابتدا میں اشارہ کر چکا ہوں، اب میں قدرے تفصیل سے ان کے متعلق کچھ باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

۱۸۵۷ء کے بعد جب مسلمانوں کی نام نہاد حکومت بالکل ختم ہو گئی اور برصغیر پاک و ہند پر سیاسی اعتبار سے حکومت برطانیہ کا تسلط و استیلا کامل طور پر ہو گیا تو غلامی کا ایک نیا دور شروع ہوا، ۱۹۴۷ء تک یہ نوّے سال کا دور ہے، اس دور میں قرآن کے حوالے سے جو سب سے پہلی زوردار آواز اٹھی ہے، وہ سر سید احمد خاں کی ہے۔ پندرہ پاروں کی انہوں نے تفسیر بھی لکھی انہوں نے ایسے ایسے فتنے اٹھا دیئے کہ حد و بس ہے۔ جنّات کا انکار، فرشتوں کا انکار، وحی کا قریباً انکار ——— ان سب کی ایسی توجیہ و تاویل جو سراسر قرآن کے خلاف تھی۔ ظاہر بات ہے کہ کھلم کھلا انکار تو کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ انھوں نے جنّات کا برملا انکار نہیں کیا لیکن یہ کہا کہ قرآن نے مشتعل مزاج اور اجڈ قسم کے لوگوں کو جن سے تعبیر کیا ہے، وہ کوئی علیحدہ مخلوق نہیں ہے فرشتوں کا بھی برملا انکار نہیں کیا۔ کہا تو یہ کہا کہ یہ جو FORCES OF THE NATURE ہیں۔ قوائے

طبعیہ ہیں ان کو فرشتے کہا گیا ہے۔ ان کا کوئی علٰحدہ وجود نہیں، وہ کوئی علٰحدہ مخلوق نہیں۔ ان کا علٰحدہ کوئی تشخص نہیں۔ معجزات کا انکار۔ ان کی یہ تاویل کی گئی کہ یہ بھی PHYSICAL PHENOMENA تھے۔ طبعیات کے عجیب و غریب اور غیر معمولی مظاہر تھے، ان کو خواہ مخواہ معجزات سمجھ لیا گیا ہے حضرت موسےٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر سمندر سے نکل گئے اور فرعون کا لشکر غرق ہو گیا تو یہ مدوجذر کا کرشمہ تھا۔ سمندر مد پر آگیا جب کہ فرعون اپنے لشکر کو لے کر سمندر میں اترا تھا اور جذر کی کیفیت میں حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے ساتھ نکل گئے۔ گویا اپنے دور کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ مصری قوم مدوجذر سے ناواقف تھی۔ ایسی گمراہ کن تاویلات ہیں جو سر سید احمد خاں نے کیں۔ کھلم کھلا انکار کسی چیز کا نہیں کیا۔ ان کی پیدا کردہ گمراہیوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان سب کا بیان اس وقت ممکن نہیں ہے۔ میں نے اس موضوع پر ایک طویل مضمون لکھا تھا جو میری کتاب "اسلام اور پاکستان" میں شامل ہے۔ اسی مضمون میں، میں نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی کتاب "اسلام" میں وحی کے بارے میں جو گمراہی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کے بقول قرآن سارے کا سارا بیک وقت خدا کا کلام بھی ہے اور کلام رسول بھی، وحی ایک چشمہ کے مانند قلب محمدیؐ میں پھوٹا تھا۔ تو اس کے بارے میں نے لکھا تھا کہ اس گمراہی کا آغاز کرنے والے تو سر سید احمد خان ہیں۔ یہ گمراہی تو نہ معلوم کتنی جگہ انڈے بچے دے چکی ہے۔ چنانچہ سر سید اس کے قائل نہیں تھے کہ جبریل امینؑ وحی لے کر نازل ہوتے تھے اس طرح تو فرشتوں کا تشخص تسلیم کرنا پڑتا جس کے وہ انکاری تھے۔ چنانچہ ان کا شعر ہے۔ ؎

زجبریل امیں قرآں بہ پیغامے نمی خواہم ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم

ان گمراہ کن تاویلات کے باوجود ایک اچھی بات سر سید احمد خاں کے حق میں جاتی ہے اور وہ یہ کہ اگرچہ انہوں نے اپنی تفسیر میں یہ باتیں کہیں، لیکن نہ تو انہوں نے کوئی دینی جماعت بنائی نہ کسی دینی فرقہ کا انہوں نے آغاز کیا۔ وہ اصل میں مشہور و معروف ہوتے ایک سماجی مصلح SOCIAL REFORMER اور مسلمانوں کے ایک قومی لیڈر کی حیثیت سے۔ چونکہ ان کا دینی معاملہ صرف نظریات کی حد تک رہا۔ انہوں نے ان کی بنیاد پر کوئی تنظیم قائم نہیں کی۔ کوئی جماعت نہیں بنائی لہٰذا اس نے ایک فتنہ کی شکل اختیار نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام نے ان کا زیادہ نوٹس نہیں لیا۔ پھر دوسرے اعتبارات سے ان کے احسانات بھی مسلمانانِ ہند پر ہیں۔ لہٰذا ان کے معاملہ میں کسی نہ کسی حد تک نرمی کا معاملہ کیا جاتا رہا۔

لیکن اس کے پہلو بہ پہلو جو ایک بڑا فتنہ اٹھا اس کا بانی تھا مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی۔

اس نے اپنی تحریک قرآن کے نام پر اٹھائی اور قرآن کے نام پر بات شروع کی۔ میں اس کے ابتدائی دور کے دو شعر آپ کو سناتا ہوں جن سے معلوم ہو گا کہ شروع شروع میں اس نے اپنا اعتماد پیدا کرنے کے لئے کس طرح خدمتِ قرآن کا لبادہ اوڑھا۔ اس کا ایک شعر ہے۔ ؎

جمال و حسن قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے ۔۔۔ قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

دوسرا شعر ہے۔ ؎

اے بے خبر بخدمتِ قرآں کمر بہ بند ۔۔۔ زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند[1]

"اے بے خبر مسلمان قرآن کی خدمت کے لئے کمر کس لو، تیار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ آواز لگائی جائے کہ فلاں شخص اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یعنی موت سے پہلے پہلے جو فرصت مہیا ہے اُسے قرآن کی خدمت کے لئے لگا دو" اب آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ اس کی تکنیک کیا تھی۔ پھر اس نے آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں سے بڑے کامیاب مناظرے کئے۔ ان سب کا سراغ آپ کو اس کے ابتدائی لٹریچر میں مل جائے گا، لیکن پھر ہوا کیا! اس شخص نے اپنا اعتماد پیدا کر کے وہ گمراہی پھیلائی جو سرطان کی طرح جسدِ ملی سے چمٹ گئی۔ جب لوگوں کا کثیر تعداد میں اس کی طرف رجوع ہوا، عقیدتمندوں کی ایک معتد بہ تعداد اس کے گرد جمع ہو گئی تو اس کے دماغ کے اصل خنّاس نے ظہور شروع کیا، شیطان نے میٹھے ٹھونگے اور سبز باغ دکھانے شروع کئے تو اس نے دعوؤں کا پے در پے آغاز کر دیا۔ کہیں مجدّد ہونے کا دعویٰ، کہیں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ، اس سے آگے بڑھ کر ظلّی اور بروزی نبی ہونے کا دعویٰ اور بالآخر صاحب وحی نبی ہونے کا دعویٰ۔ اور نہ معلوم اس نے کیا کیا دعاوی کئے ہیں۔ ہمارے "ماہنامہ میثاق" میں قسط وار ایک طویل مضمون چھپتا رہا ہے اور بھی ملک میں بعض علمائے کرام اور اہل قلم نے اس کے لٹریچر سے اس کی گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والی تصویر پیش کی ہے۔ ان کو پڑھ کر انسان حیران ہوتا ہے کہ ان تحریروں کا لکھنے والا شخص صحیح العقل انسان بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کجا یہ کہ اسے نبی مان لیا جائے۔ مزید حیرانی اس وقت ہوتی ہے کہ جب نظر آتا ہے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ اس کے پیچھے لگ گئے، اس پر بحیثیت نبی ایمان لے آئے۔ ان میں سے کوئی انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا جج رہا ہے، کوئی نوبل پرائز ہولڈر ہے۔ اس کی بڑی وجہ جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ انگریزی سرکار کی سرپرستی مرزا غلام احمد کو حاصل ہو گئی تھی لہٰذا

---

[1] دوسرا مصرعہ دراصل شیخ سعدیؒ کا ہے (مرتب)

اس کے متبعین کو حکومت کی طرف سے بڑی مراعات ملیں، ان کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے مواقع حاصل ہوتے، سرکاری ملازمتوں اور منصبوں پر وہ فائز ہوتے رہے۔ اس طرح مرزا غلام احمد قادیانی پر ایمان لانا دنیوی ترقی اور انگریزی دورِ حکومت میں اثر و رسوخ نیز اعلیٰ ملازمتوں کے حصول کا زینہ بن گیا ـــــ بہرحال یہ دوسرا بڑا چور کہ مسلمانوں کو لگا اور ابتداً یہ فتنہ دعوتِ قرآن کا نام لیکر اٹھا اور آگے بڑھا۔

پھر ہمارے دور میں غلام احمد پرویز ایں جہانی نے جو گمراہی پھیلائی اور جو مسلسل پھیل رہی ہے وہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔ چکڑالویت ہو، پرویزیت ہو اور دوسرے منکرین سنت کے جو مختلف SHADES ہیں ان کا تو سارے کا سارا اوڑھنا بچھونا قرآن کا نام ہے قرآنی نظام ربوبیت کے نام سے وہ نظریۂ اشتراکیت اور الحاد کے علمبردار ہیں۔ ان کے نزدیک معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے دور کی حد تک واجب الاطاعت تھے وہ بھی "مرکزِ ملت" کی حیثیت سے نہ کہ رسول کی حیثیت سے۔ رسول کی حیثیت سے تو بس ان کا کام قرآن کو پہنچانا اور حالات و ظروف کے مطابق اس کی عملی تعبیر (INTERPRETATION) کرنا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کا جو نظام دنیا کو دیا تھا، جس کا کامل ظہور خلافت راشدہ کے دورِ سعید میں ہوا، ان منکرین حدیث و سنت کے نزدیک وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اپنے دور کا ہر "مرکزِ ملت" قرآن سے اصول لے کر شریعت کا نظام رائج کرنے کا مطلقاً مختار و مجاز ہے۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ، صوم و حج کو وہ مستقل ارکانِ اسلام تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کی رائے میں احوال و ظروف کے مطابق ان میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور لازماً ہونا چاہیئے۔ یہ گمراہ کن پوری تحریک قرآن کے نام پر اٹھی اور اسی نام پر وہ ہمارے معاشرے میں گمراہی پھیلا رہی ہے۔

ہمارے علمائے حق کو پہلے یہ جو چور کے لگے ہیں اور تجربات ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے اور سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے ـــ یہ ہے اصل سبب جس کی وجہ سے یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ ہمارے ہاں جو فقہی مسالک ہیں اور علمائے کرام کے جو حلقے ہیں ان میں سے جو علمائے حق ہیں وہ بہت ہی متردد اور فکرمند ہو جاتے ہیں کہ قرآن کا نام لے کر کچھ لوگ آگے آ رہے ہیں ـــــ میں نے آغاز میں جن آیات کی تلاوت کی ہے ان میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۶ بھی پڑھی ہے۔ جس میں یہ الفاظ آئے ہیں، يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا "قرآن ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور

بہتوں کو اسی قرآن کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے۔" اصل میں فیصلہ کن چیز ہوتی ہے انسان کی اپنی باطنی کیفیت۔ اگر کسی شخص میں عجب ہے، تکبر ہے، استکبار ہے، شہرت و وجاہت طلبی ہے، کچھ بننے کی آرزو ہے، اپنی عقل و فہم پر اعتماد میں غلو ہے، اپنی بڑائی اور انفرادیت کے اظہار کی خواہش اور شوق ہے، وہ کسی پندار اور گھمنڈ میں مبتلا ہے اور اس کا چاہے صبح و شام قرآن مجید سے کتنا ہی اعتنا ہو اور کتنا ہی تعلق ہو، ایسا شخص آج نہیں تو کل خود بھی فتنے میں مبتلا ہوگا اور بہتوں کو فتنے میں مبتلا کرنے کا باعث بن جائے گا۔ لیکن اگر اس کی طبیعت میں خلوص و اخلاص ہے، تواضع ہے، انکسار ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں قرآن کی جو خدمت کر رہا ہوں وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے کر پا رہا ہوں۔ اس میں میرے کسی ذاتی کمال کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر یہ انداز ہوگا تو انشاء اللہ العزیز قرآن مجید اپنی ہدایت اس پر روشن کرتا چلا جاتے گا۔

اب اس ضمن میں ایک اہم بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اصل METHODOLOGY کیا ہوتی ہے۔ ان تمام گمراہ فرقوں اور تحریکوں کا طریق کار (METHODOLOGY) یہ ہے، اور یہ سب میں مشترک وصف ہے — اور میں اس وقت اس کو اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ پھر ملاقات ہوتی ہے یا نہیں یا امیر مینائی کے اس شعر کے مصداق ؎

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر میں اپنے غور و فکر کے نتائج اور اپنے خیالات وضاحت سے آپ حضرات کے سامنے رکھ دوں، وہ METHODOLOGY یہ ہوتی ہے، طریق کار یہ ہوتا ہے کہ کسی ایک آدھ مسئلہ کو پکڑ کر جو امت میں متفق علیہ رہا ہے، مجمع علیہ رہا ہے، تمام فقہائے کرام، تمام محدثین عظام، تمام علمائے حقانی، تمام مفسرین کرام سب کے سب اس مسئلہ کو مانتے چلے آرہے ہیں، لیکن اس ایک مسئلہ کو اٹھا کر لوگوں کو اس مغالطہ میں مبتلا کر دیجئے کہ یہ بات غلط ہے اس ایک تیر سے کتنے شکار ہو گئے! اگر آپ نے اس متفق علیہ مسئلہ کے بارے میں لوگوں کو بدظن کر دیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب آپ نے اپنے عقیدت مندوں کے ذہن و قلب میں یہ بات ڈال دی بلکہ بٹھا دی کہ سارے فقہا کودن تھے، سارے محدثین ناسمجھ تھے، سارے مفسرین بے علم تھے، سارے علماء امت بے عقل تھے اور ہیں کہ اتنی سیدھی بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی، جو ہمارے ممدوح کی سمجھ میں آئی ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے کہ جو عموماً ایسے لوگوں کو تمام اکابر اسلاف سے سوءِ ظن میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مثال دیا کرتا ہوں کہ یہ لوگ یا تو اُس

بے لنگر جہاز کے مانند ہیں جو لہروں کے رحم وکرم پر ہے، لہریں اس جہاز کو جدھر چاہیں لے جائیں۔ یا کٹی ہوئی پتنگ کے موافق ہیں۔ ڈور کٹ گئی، اب پتنگ ہوا کے رحم وکرم پر ہے وہ جدھر لے جائے اب جیسے ہی اسلاف سے بدظنی پیدا ہوئی، شیطان کو موقع مل گیا کہ وہ گمراہی پر گمراہی کا دروازہ کھولتا چلا جائے اور ظلماتٌ فوق ظلمات کا نقشہ جما دے ——— اس لئے کہ ان کے دلوں میں تو عظمت کا سکہ اپنے ممدوح کا بیٹھ جاتا ہے کہ جو بات خلفائے راشدین کی سمجھ میں نہیں آئی، امام ابوحنیفہ کے پتے نہیں پڑی، امام مالک کے ذہن کی جہاں تک رسائی نہیں ہوئی، امام شافعی جس کو سمجھنے سے قاصر رہے، امام احمد ابن حنبل جس کی تہہ تک پہنچ نہ پائے، رضی اللہ عنہم ورحمۃ اللہ علیہم اجمعین ——— مزید یہ کہ امت کے تمام قابل اعتماد مفسرین چاہے وہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے، جس بات کے فہم سے عاری رہے، تمام علمائے حقانی کی عقل جس بات کے سمجھنے سے عاجز رہی ——— قرن اول سے تا ایں دور جس مسئلہ میں پوری امت کا توارث کے ساتھ اجماع رہا ہے وہ اجماع غلط رہا ہے۔ اس مسئلہ کا صحیح عقدہ تو ہمارے ممدوح عالم دین اور مفسر قرآن پر منکشف ہوا ہے۔ لہٰذا شعوری یا غیر شعوری طور پر ان معتقدین کے قلب وذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ ان تمام اسلافؒ کا امام مطلق اور مجتہد مطلق تو ہمارا ممدوح ہی ہے۔ عقیدت مند لوگ جب اجماع امت کے خلاف ایک مسئلہ میں اپنے ممدوح کی رائے کو مان لیں تو بہت آسان ہو گیا کہ وہ جو چاہے زہر گھول دے۔ جو کڑوی گولی چاہے اپنے عقیدت مندوں کے حلق سے اتروا دے ——— یہ ہے مشترک METHODOLOGY یہ ہے مشترک طریق کار۔

ان لوگوں کو معتقدین کس طرح اور کہاں سے ملتے ہیں جو اس فتنہ کے فروغ کا ذریعہ بنتے ہیں یہ بات بھی تجزیہ طلب ہے۔ اس بارے میں اپنے غور وفکر کا نتیجہ آپ حضرات کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ عموماً وہ تعلیم یافتہ لوگ جو دین کے نہ طالب علم ہوتے ہیں نہ انھوں نے خود دین کا بنیادی طور پر مطالعہ کیا ہوتا ہے۔ دنیوی تعلیم کے اعتبار سے وہ چاہے گریجویٹ ہوں، علوم جدیدہ میں سے کسی علم میں پی، ایچ، ڈی ہوں، کوئی قانون میں بار ایٹ لا ہو۔ کسی نے CONSTITUTIONAL LAW میں SPECIALIZATION کیا ہو وہ ملکی آئین میں درجہ تخصص رکھتا ہو۔ کسی نے سائنس اور انجینئرنگ کی اعلیٰ ترین ڈگریاں حاصل کی ہوں۔ لیکن دین کے بنیادی علم سے کوئی شغف نہیں، اس کا کوئی فہم نہیں۔ اس معاملہ میں بالکل کورے۔ الا ماشاء اللہ۔ زیادہ سے زیادہ تقلید آبا کے طور پر نماز روزے سے کچھ تعلق رہا تو رہا ورنہ باقی اللہ اللہ خیر صلا۔ اس طبقے کے متعلق

ایک بزرگ کہا کرتے ہیں اور بالکل صحیح کہا کرتے ہیں "پڑھے لکھے جاہل" دین کے اعتبار سے تو یہ ان پڑھ ہیں چونکہ اس طبقے میں بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ انھیں ناظرہ قرآن تک پڑھنا نہیں آتا۔ یہ طبقہ ہے جس میں سے اکثر ایسے لوگوں کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ انھیں نظر آتا ہے کہ دین اور قرآن کے یہ لوگ بڑے خادم ہیں، بڑے عالم ہیں، بڑے معقول لوگ ہیں، بڑے ذہین و فطین ہیں ان کی ذہانت و فطانت کا دنیا میں لوہا مانا جا رہا ہے۔ لیکن چونکہ ان کا براہِ راست دین کا اپنا مطالعہ نہیں ہوتا لہٰذا جس شخص کو بھی انھوں نے اس طور سے مان لیا کہ دین کی فلاں اہم بات اس کی سمجھ میں آئی۔ ہے جو آج تک کسی اور کی سمجھ میں نہیں آئی تھی تو پھر وہ شخص ایسے لوگوں کو جدھر چاہے لے جاتے۔ پھر ایسے لوگ اندھے اور بہرے ہو کر اس کا اتباع کرتے ہیں، اس کی پیروی کرتے ہیں —
بغرضِ تفہیم میں چند مثالیں قدرے تفصیل سے پیش کرتا ہوں۔

سرسید احمد خان کا اس موقع پر میں تذکرہ نہیں کروں گا چونکہ وہ جن گمراہیوں کے بانی و مبانی تھے، ان کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ ان کی ذات سے کوئی فرقہ، کوئی جماعت، کوئی تنظیم وجود میں نہیں آئی۔ انھوں نے سماجی طور پر مسلمانوں کی خدمت کو اپنے لئے عملی جولان گاہ بنایا اور ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس میدان میں انھوں نے مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ لہٰذا سرسید کی بات یہاں چھوڑ دیجئے —
اب آپ دیکھئے مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا کیا۔ اس نے جب ابتداً قرآن کا نام لے کر اور آریہ سماجیوں نیز عیسائیوں سے مناظرے کر کے اپنا ایک مقام بنالیا۔ معتدبہ افراد اس کے حلقۂ ارادت و عقیدت سے وابستہ ہو گئے تو اس نے ایک مسئلہ اٹھایا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا بجسدِ شریف زندہ آسمان پر اٹھا لئے جانا اور پھر انہی حضرت ابن مریمؑ کا بجنسہٖ بالعینہٖ بنفسِ شریف دوبارہ آسمان سے نازل ہونا، یہ وہ مسئلہ ہے جو امت کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ سلف سے لے کر خلف تک اس پر پوری امت کا اجماع چلا آ رہا ہے۔ متعدد احادیثِ صحیحہ اس مسئلہ پر موجود ہیں۔ تمام فقہاء امتؒ جن کے علم و فضل تک آج کے دور کا انسان بیسیوں مرتبہ مر کر دوبارہ پیدا ہو جائے تو بھی نہیں پہنچ سکتا، وہ سب کے سب اس کو مانتے ہیں۔ تمام محدثین کرامؒ اس کو مانتے ہیں۔ آج تک جتنے بھی امت میں قابلِ اعتماد مفکرین و مفسرین پیدا ہوئے ہیں وہ تمام کے تمام اس کو مانتے ہیں۔ لیکن غلام احمد قادیانی نے "رفع و نزولِ مسیحؑ" کے انکار کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ چونکہ وہ دور SCIENTIFIC RATIONALISM کا دور تھا اور سائنس بھی ابھی

(NEWTONIAN) دور میں تھی۔ آئن اسٹائن کا دور شروع نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا اس زمانے میں یہ بات ایک انگریزی دان اور عقلیت زدہ شخص کے لئے بڑی عجیب سی تھی کہ ایک زندہ انسان کیسے آسمان پر اٹھایا جا سکتا ہے! پھر وہ کیسے آسمان سے نازل ہوگا۔! اس نے اس مسئلہ کو ہوا دی۔ تعلیم یافتہ لوگوں کو تو یہ مغالطہ دیا اور عوام کو اس دلیل سے فریب دیا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین ہیں، افضل الرسل ہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضورؐ تو انتقال فرما جائیں اور آپؐ کا جسدِ اطہر لحد میں زیرِ زمین دفن ہو، اور حضرت مسیح اس خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ ہوں۔ اس طرح تو حضرت مسیحؑ ہمارے رسولؐ سے افضل قرار پاتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کو ان کے حواریوں نے انھیں صلیب سے اتار لیا تھا وہ زندہ تھے۔ خفیہ طور پر ان کا علاج و معالجہ ہوا۔ پھر وہ چھپتے چھپاتے بیت المقدس سے نکل گئے اور کشمیر میں آکر آباد ہوئے، وہیں طبعی موت مرے اور دفن ہوئے۔ ہمارے مولویوں نے اس بات کو نہیں سمجھا اور غلط تاویلات کرتے رہے ــــ چنانچہ اس مسئلہ کو اس نے خوب ہوا دی اور اس کے ذریعہ سے اس نے اپنے معتقدین کو سلف سے کاٹ دیا۔ جب وہ لنگر کٹ گیا، ڈور کٹ گئی تو اب وہ ہوا کے رحم و کرم پر ہیں، جس طرف چاہو ان کو لے جاؤ اور جو چاہو ان سے منوالو۔ اس لئے کہ معلوم ہوا کہ سب سے بڑھ کر عالم تو یہ ہے۔ اب اس نے بتدریج دعاوی شروع کئے۔ اس نے کہا کہ احادیث میں جس مسیح کے آنے کی خبر ہے وہ بذاتہٖ مسیح نہیں بلکہ مثیل مسیح کی ہے اور وہ مسیح موعود اور مثیلِ مسیح میں ہوں۔ نوبت بایں جا رسید کہ پھر وہ صاحبِ وحی نبی بن بیٹھا اور اپنے ہزاروں ماننے والے اپنے گرد جمع کر لئے اور بہت سی خلقِ خدا کی گمراہی کا سبب بن گیا۔

اسی طریقہ کو غلام احمد پرویز نے استعمال کیا۔ لونڈی غلاموں کا مسئلہ اٹھا دیا، یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ اٹھا دیا، قتلِ مرتد کا مسئلہ کھڑا کر دیا، تعددِ ازدواج کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ یہ وہ مسائل ہیں جو قرنِ اوّل سے تا امروز متفق علیہ رہے ہیں۔ اہلِ سنت کے تمام فقہی مکاتب کا ان پر اجماع ہے۔ یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ بڑا حساس (TOUCHY) ہے۔ اس نے بڑے PATHETIC انداز میں اس مسئلہ میں رقّت آمیزی (PATHOS) پیدا کی اور اپنے زورِ قلم سے یتیم پوتے کے لئے ہمدردیاں حاصل کیں۔ اس طرح قرآن کے نام پر ان تمام متفق علیہ مسائل کے خلاف ایک محاذ بنا کر بہت سے لوگوں کو اس نے انکارِ حدیث و سنت کی ضلالت میں مبتلا کر دیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ بھی شریعتِ اسلامی کی الف، با، تا بھی جانتے ہیں، وہ اس کی بنیادوں کو جانتے ہیں، اس کے دلائل کو جانتے ہیں۔ لیکن ہمارے معاشرے کے پڑھے لکھے جاہل تو ایک کھلی چراگاہ ہیں اور ایک ایسا میدان

موجود ہے کہ کوئی بھی ذہین انسان اپنی انشاء پردازی اور اپنے خاص اسلوب نگارش کو کام میں لے کر دھواں دھار کتابیں لکھے اور اس طبقے میں سے کثیر تعداد میں لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لے ایک جمعیت فراہم کر لے۔ اب خود سوچیے کہ جو لوگ قائل ہو گئے ان کے اذہان پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ میں ہلکے سے ہلکے انداز میں یہ تاثرات بیان کر دوں تو وہ یہ ہوں گے کہ ہمارے ائمہ کرام، ہمارے فقہائے عظام، ہمارے لائق احترام محدثین، مفسرین اور علماء بڑے بھولے بھالے تھے کہ ان کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آئیں، ان کی حقیقت منکشف ہوئی ہے تو اس شخص پر ہوئی ہے۔ یہ ہے وہ METHODOLOGY جس سے قرآن کے نام پر اٹھنے والی دعوتوں اور تحریکوں نے منفی انداز اختیار کیا۔ لوگوں کو اسلاف سے بدظن کر دیا اور ان کا حال کٹی ہوئی پتنگ کا سا ہو گیا کہ ہوا جدھر چاہے اس کو لے جائے۔

میرے لئے اس معاملہ میں بہت بڑی تشویش والی بات ہو گئی تھی۔ وہ یہ کہ ایک بزرگ جن سے میرا بھی طویل عرصہ تک قریبی تعلق و رابطہ رہا ہے، میں نے ان کی خدمت بھی کی ہے اور ان کے فکر کی بھی، میں نے ان کی کتابوں کو شائع بھی کیا ہے، میرا ماتھا ٹھنکا سبب رجم کے مسئلہ میں آکر ان بزرگ نے بھی وہی روش اختیار کی۔ ساری عمر قرآن کے پڑھنے پڑھانے میں بتا کر آخر کار یہ ہوا کہ رجم کے متعلق یہ رائے دے دی کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زانی کے لئے اسلام میں حد علٰحدہ علٰحدہ نہیں ہے بلکہ شادی شدہ زانی کے لئے بھی وہی سو کوڑے ہیں جو قرآن میں آتے ہیں۔ رجم کا معاملہ تو تعزیر سے متعلق ہے۔ کوئی شخص غنڈہ ہو، اول درجے کا بدمعاش ہو، جو معاشرے میں سانڈ بنا پھرتا ہو لیکن پکڑ میں نہ آرہا ہو، ایسا شخص جب پکڑ میں آجائے گا تو وہ رجم کر دیا جائے گا ورنہ رجم باقاعدہ حد نہیں ہے۔ عام شادی شدہ زانی کی سزا وہی سو کوڑے ہیں جو قرآن میں ہے۔ اللہ تعالٰے ان بزرگ کو معاف کرے ابھی وہ زندہ ہیں اور انھیں توفیق دے کہ وہ رجوع کریں اور توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی ہمت دے۔ آدمی کے سر پر جب ایک فلسفہ سوار ہو جاتا ہے تو وہ تمام احتیاطوں کو نظر انداز کر کے اپنی رائے کے حق میں ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جن کی اس سے توقع نہیں ہوتی چنانچہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں، جن کی توبہ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح روایت موجود ہے کہ اس نے وہ توبہ کی ہے کہ اگر ایک بڑے گروہ پر تقسیم کر دی جائے تو کافی ہو جائے۔[۱] ان صحابی

---

[۱] اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے نزدیک جن چھ کتب احادیث کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے، ان میں مسلم شریف کا شمار دوسرے نمبر پر ہوتا ہے، حضرت ماعز ابن مالک اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق رجم کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے ان بزرگ نے اپنی تحقیق کے نتیجہ میں لفظ استعمال کر دیا نہایت بدخصلت غنڈا" اور یہ اپنی تفسیر میں استعمال کیا۔ نقل کفر، کفر نہ باشد، یہاں تک لکھ دیا کہ "روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کسی غزوے کے لئے نکلتے تو یہ چپکے سے دبک کر بیٹھ رہتا اور مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف بہو بیٹیوں کا تعاقب کرتا۔ بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طرح تعاقب کرتا جس طرح بکرا بکریوں کا کرتا ہے" آگے اس سے بھی زیادہ ایک نہایت غیر شائستہ بات لکھی ہے۔ وہ میں آپ کو نہیں سنانا چاہتا۔ آگے اپنی تحقیق ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہی لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آتا تھا اس وجہ سے آپؐ نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آگیا۔ آپؐ نے اسکو ہلوا کر تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ جب اقرار کر لیا تو آپؐ نے اس کے لئے رجم کا حکم دے دیا" شاید اسی سے متاثر ہو کر شریعت کورٹ نے یہ فیصلہ دے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) یہ ارشاد مروی ہے: لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِّمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ مصنف عبدالرزاق میں حضرت ماعز اسلمیؓ کے بارے میں حضورؐ کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں: إِنَّهُ الْآنَ لَفِي أَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ (مرتب)

لہ ان بزرگ کی تحقیق کا تجزیہ کیجئے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موجودہ دور کے تھانہ داروں کی طرح THIRD DEGREE استعمال کر کے ان صحابی کو اقرار جرم پر مجبور کر دیا تھا۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ اس طور پر حاصل شدہ اقرار جرم کی قانوناً کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس طرح واضح ثبوت کے بغیر محض تیکھے انداز سے پوچھ گچھ کے نتیجہ میں مجبور کر کے اقرار جرم کرانے کا الزام معاذ اللہ اس ہستی صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوتا ہے جو نظام عدل و قسط قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئی تھی: وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ۔ مزید برآں ایک نہایت قابل غور بات یہ ہے کہ ان محقق مفسر قرآن نے متعدد مرتبہ لکھا ہے کہ "روایات سے معلوم ہوتا ہے" لیکن کسی ایک روایت کا بھی حوالہ نہیں دیا۔ جب کہ تحقیق کا حق اور انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ ایک صحابی پر جب زبانِ طعن کھولی ہے تو ان روایات کا حوالہ بھی دیا جاتا تاکہ تحقیق کی جا سکتی کہ ان روایات کا مقام کیا ہے؟ اکثر معتبر کتب احادیث میں جو روایات ملتی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کسی جبر و اکراہ کے از خود اعتراف و اقرار جرم کیا تھا۔ نبی اکرمؐ نے ان کو ٹالنا چاہا لیکن وہ مصر رہے کہ ان کو پاک کر دیا جائے۔ حضورؐ نے تحقیق فرمائی کہ یہ نشہ تو نہیں کرتے، ان پر دیوانگی کا تو دورہ نہیں پڑتا۔ جب ایسی کوئی بات نہیں نکلی کہ شک کا فائدہ ان صحابی کو پہنچ سکتا تو آپؐ نے ان کے اصرار پر رجم کی حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا (مرتب)

دیا تھا کہ رجم اسلامی حد نہیں ہے، وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ بعض حضرات کی کوششوں کے نتیجے میں — اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ حکومت نے اپنے ہی قائم کردہ شریعت کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی۔ مجھے اس وقت اچھی طرح یاد نہیں کہ سپریم کورٹ نے ازخود اس فیصلہ کو کالعدم قرار دے کر رجم کو "اسلامی حد" قرار دیا یا اس فیصلہ کو نظر ثانی کے لئے پھر شریعت کورٹ کو REFER کر دیا اور شریعت کورٹ نے بالآخر طے کر دیا کہ رجم معین اسلامی حد ہے اور اگر شادی شدہ زانی کا جرم ثابت ہو جائے یا وہ بغیر کسی دباؤ کے خود اقرار کرلے تو اس کے بعد کسی ثبوت کی ضرورت نہیں لہٰذا ایسے فرد پر چاہے وہ مرد ہو یا عورت، رجم کی حد جاری کی جائے گی۔ یہاں میں آپ حضرات کو یہ بھی بتا دوں کہ جتنے بھی رجم ہوئے ہیں، وہ اقرار کی بنیاد پر ہوئے ہیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ یہ گمراہی بڑے پیمانے پر تو نہیں آئی۔ اگر خدانخواستہ شریعت کورٹ کا وہ فیصلہ برقرار رہتا تو آپ کو معلوم ہے کہ عدالتوں کے فیصلے تو لٹریچر کا مستقل جزو بنتے ہیں، وہ نظائر بنتے ہیں۔ ان کے حوالے دیئے جاتے ہیں، ان سے سند پکڑی جاتی ہے۔ لہٰذا اس طرح ایک بہت بڑی گمراہی کو قانونی جواز حاصل ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بچا لیا۔

لیکن ان بزرگ کا ایک مستقل حلقہ تو ہے۔ ان کے معتقدین تو موجود ہیں جو انہی کی آنکھوں سے دیکھتے اور ان ہی کے کانوں سے سنتے ہیں ان کی رائے پر اندھا اعتماد رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی حلقے سے ایک نوجوان ایسے نکلے کہ انھوں نے آگے بڑھ کر جو جسارت کی ہے وہ بھی مسلمانوں کے کلیجے کو چھید دینے اور چھلنی کر دینے والی ہے ——— اور وہ اس غامدی خاتون کے بارے میں کہتے ہیں کہ معاذ اللہ "وہ چکلا چلاتی تھی" وہ غامدی خاتون جن کے بارے میں احادیث صحیحہ میں تفصیلات ملتی ہیں کہ وہ خود چل کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ حضورؐ مجھ سے وہ خطا سرزد ہو گئی ہے جس کی سزا رجم ہے مجھے پاک کر دیجئے میں نہیں چاہتی کہ مجھے اس کی سزا آخرت میں ملے، مجھے اس گناہ سے یہیں پاک کر دیجئے" حضورؐ نے ہر طرح انھیں ٹالا کہ کیا کہہ رہی ہو! کہیں پاگل تو نہیں ہو گئی ہو! انھوں نے کہا حضورؐ مجھے تو اس گناہ سے حمل ہے حضورؐ نے فرمایا کہ حمل ہے تو قصور تمہارا ہے، اس ننھی جان کا کیا قصور ہے جو تمہارے پیٹ میں ہے۔ جاؤ وضع حمل کے بعد آنا۔ وضع حمل کے بعد وہ اللہ کی بندی پھر آ گئی۔ آپ سوچئے کہ رجم کی سزا سے زیادہ واقعتہً سخت سزا اور کوئی نہیں۔ پتھر مار مار کر ہلاک کرنا، سنگسار کرنا۔ لیکن وہ اللہ کی بندی چل کر پھر آ رہی ہے کہ حضور ولادت ہو گئی ہے مجھے پاک کر دیجئے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ ابھی اس کا وجود تیرے وجود کا محتاج ہے، یہ زندہ کیسے رہے گا۔ جاؤ اس کو دودھ پلاؤ۔ وہ اللہ کی بندی چلی گئی

اور تیسری مرتبہ حاضر ہوتی۔ بچہ اس کی گود میں ہے اور روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں ہے اور عرض کرتی ہے کہ حضورؐ دیکھئے کہ یہ بچہ اب اس قابل ہو گیا ہے کہ اپنی غذا حاصل کر سکتا ہے۔ یہ میرے دودھ کا محتاج نہیں رہا۔ مجھے پاک کر دیجئے۔" میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ اس خاتون کے رجم کا حکم دیتے وقت کتنا بڑا پتھر اپنے دل پر رکھا ہو گا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جن کی شان خود اللہ تعالےٰ نے رؤف و رحیم بیان فرمائی ہے۔ لیکن حضورؐ نے شریعت کا تقاضا پورا فرمایا اور اس خاتون کو رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس خاتون کے بارے میں، جس کی توبہ مثالی توبہ[1] ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوفِ آخرت اس کے دل پر کس طرح نقش تھا۔ لیکن ان بزرگ کے حلقے کے ایک نوخیز صاحب ایسے اٹھے کہ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ "وہ چھلا چلاتی تھی" انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ اپنے ممدوح کی وکالت میں اس حد تک پہنچ گئے۔ انہوں نے اس واقعہ سے متعلق عام صحیح احادیث کو یکسر مسترد کر دیا۔ یہ ہیں وہ فتنے جو اسی انداز میں آپ کے شہر لاہور میں اٹھ رہے ہیں۔

یہی صاحب جواب ان بزرگ کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے اور رجم کے معاملے میں ان کے سب سے بڑے ADVOCATE ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ وہ آج سے قریباً تین چار سال پہلے ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے چکے ہیں۔ وہ اپنی جگہ پر امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بھی خود کو بالاتر سمجھنے کے زعم میں مبتلا ہیں۔ ابھی ان کی عمر اغلباً تیس بتیس برس ہے۔ لیکن حال یہ ہے کہ انھوں نے اس وقت قرآن کے قانونِ وراثت پر ایک مضمون لکھا تھا جو ان کے رسالہ میں شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ قرآن کا قانونِ وراثت کسی کی سمجھ میں آج تک نہیں آیا۔ یہ تو میں بتا رہا ہوں۔ اور یہ کہ کلالہ کے معنی تو آج تک کوئی سمجھ ہی نہیں سکا ـــــ کلالہ کا وہ قانون جو سورۃ النساء میں آیا ہے، جس کے بارے میں اسی سورۃ مبارکہ کے آخر میں ایک مزید توضیحی آیت آئی جس کے آخر میں اس توضیح کا سبب بیان فرمایا گیا، یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا "اللہ (اس قانون) کی تمہارے لئے تبیین فرما رہا ہے، مبادا تم گمراہ ہو جاؤ" ـــــ ان صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اس کے باوجود امت چودہ صدیوں تک گمراہ رہی، کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کلالہ کا قانون کیا ہے! اب میں اس کو بیان کر رہا ہوں۔ یہ ہے کڑوا کریلا اور نیم چڑھا" والا معاملہ۔

---

[1] اسی صحیح مسلم میں غامدیہ خاتونؓ کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَۃً لَوْ تَابَہَا صَاحِبُ مَکْسٍ لَغُفِرَ لَہٗ (مرتب)

جب یہ نوجوان رجم کے معاملے میں ان بزرگ کے ہم نوا بھی ہو گئے اور ان کے حلقۂ معتقدین میں بھی شامل ہو گئے۔ تو یہ ایک فتنہ ہے جو اس وقت اسی شہر لاہور میں جڑیں پکڑ رہا ہے۔

میں نے ایک مرتبہ پہلے ایک صاحبِ دین کے متعلق کہا تھا کہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ جب فتنہ کا آغاز ہو رہا ہوتا ہے تو توجہ نہیں ہوتی۔ جب وہ اپنی جڑیں زمین میں اتار لیتا ہے، وہ تناور درخت بن جاتا ہے، اس کی شاخیں پھیل جاتی ہیں، تب کچھ لوگ اپنی کلہاڑیاں اور تیشے لے کر آتے ہیں۔ لیکن اس وقت کچھ پیش نہیں جاتی۔ چونکہ وہ فتنہ مضبوط تناور درخت بن چکا ہوتا ہے۔ اس کی شاخیں بہت دور تک پھیل چکی ہوتی ہیں اور اس کی جڑیں کافی مضبوط ہو چکی ہوتی ہیں ——— اسی لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اس فتنہ کے متعلق آپ حضرات کو بروقت خبردار اور آگاہ کر دوں۔ چونکہ یہ کام بھی قرآن کے نام پر ہو رہا ہے۔ اس کے لئے بھی جو شور اور ہنگامہ ہے وہ بھی قرآن کے حوالے سے ہے۔ یہ ایک تازہ ترین مثال آگئی ہے۔ اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک ہی مسئلہ ہے اس پر اتنی تشویش کی ضرورت کیا ہے! میں نے عرض کیا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلے ایک ہی مسئلہ رفع و نزول مسیحؑ کا کھڑا کر کے اس نے اپنے معتقدین کو سلف سے خلف تک جس مسئلہ پر اجماع رہا ہے اس کے متعلق شک اور ریب میں مبتلا کر دیا تھا اور ان کو اپنے ماضی اور اسلاف سے کاٹ دیا تھا۔ اسی مسئلہ کو منوا کر وہ درجہ بدرجہ آگے بڑھا۔ مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ جن لوگوں نے یہ دعویٰ مان لیا تو پھر ان کے حلق سے مسیح موعود مثیل مسیح اور بالآخر نبی ہونے کے دعاوی تسلیم کرا لئے۔ ورنہ غور کیجئے کہ ختم نبوت، رفع و نزول مسیح کے علاوہ، وہ اکثر اُن چیزوں کو مانتے ہیں جو ہمارے ہاں تسلیم شدہ ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے وہ قائل۔ قرآن کو ماننے کے وہ مدعی، کعبہ شریف کو امت کا مرکز تسلیم کرنے کے وہ مقر — اپنی عبادات کے مقام کو مسجد سے موسوم کرنے پر وہ عامل، یہ تو ہم نے ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے ان کی تکفیر کر کے ان کو کاٹا۔ اور اب حال ہی میں صدارتی آرڈیننس کی رو سے ان کے لئے اسلامی اصطلاحات کے استعمال کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ لہٰذا جان لیجئے کہ فتنہ کسی ایک یا چند مجمع علیہ مسائل کے مقابلے میں نئی اور اچھوتی بات زوردار طریقے اور مغالطہ آمیز طرزِ استدلال سے پیش کرنے ہی سے شروع ہوتا ہے۔ اس کو ہمارے معاشرے کے تعلیم یافتہ "جہلاء" کے حلق سے اتروا دیا جائے تو پھر ایسی چراگاہ مل جاتی ہے۔ اور ایک ایسا میدان حاصل ہو جاتا ہے کہ اس میں شکاری جس طرح چاہیں شکار کھیلیں۔

میں نے چاہا کہ چونکہ ان بزرگ سے میرا بھی قریبی تعلق رہا ہے اس لئے بات وضاحت سے

آپ حضرات کے سامنے رکھ دوں۔ جیسے ہی طباعت کے بعد ان کی تفسیر کی چوتھی جلد میں رجم کی بحث میرے علم میں آئی اسی وقت الحمد للہ میں نے طے کر لیا تھا کہ میں اس جلد کو دوبارہ شائع نہیں کروں گا اس لئے کہ میرا تعلق اسلاف کے ساتھ ہے۔ اور اسلاف سے خود کو کاٹ دینا ہلاکت کے مترادف ہے۔ میں نے دعوت رجوع الی القرآن شروع کرتے وقت چند اصول اپنے پلّے باندھ لئے تھے جن کا ذکر میں آگے کروں گا۔

// میں یہ بات کئی بار عرض کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ میں عالم دین ہونے کا ہرگز مدعی نہیں ہوں۔ میں قرآن حکیم کا ایک ادنیٰ طالب علم اور ادنیٰ خادم ہوں۔ میں نے امت کے موجودہ زوال کے اسباب پر قرآن و سنت کی روشنی میں غور کیا تو جس تشخیص تک پہنچا وہ میں بیان کر چکا ہوں۔ مجھے اس کی تائید الحمد للہ حضرت شیخ الہندؒ سے ان کی عمر کے آخری دور کے عزائم سے مل گئی۔ میں اسی کام میں لگا ہوا ہوں۔ مجتہد ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔ فقہ کے متعلق میرا مطالعہ محدود ہے۔ چنانچہ میں فقہی مسائل کے متعلق استفسارات کے جواب دینے سے حتی الامکان اجتناب برتتا ہوں۔ میں نے ماہنامہ میثاق کے ذریعہ اعلان کر دیا تھا اور تنظیم اسلامی کے نویں سالانہ اجتماع میں اپنے رفقاء سے بھی کہہ دیا تھا کہ جس فقہی مسلک پر آپ مطمئن ہیں اس پر عمل کیجئے۔ کوئی مسئلہ پیدا ہو تو اپنے مسلک کے مستند علماء اور دارالافتاء سے رجوع کیجئے ــــ پھر یہ کہ میری پختہ رائے ہے اور میں اس پر جازم ہوں کہ کسی مسئلہ پر اسلاف کی متفقہ رائے سے اختلاف خواہ وہ کسی ایک مسئلہ ہی میں کیوں نہ ہو انتہائی خطرناک ہے۔ اس طرح فتنوں کا آغاز ہوتا ہے۔ قادیانیت اور پرویزیت کے ناسور اسی طرح پیدا ہوئے ــــ غور کیجئے کہ آج کل کے ہم لوگ جس نوعیت کے ہیں، ہماری سیرت و کردار کے جو معیارات ہیں ان کے اعتبار سے کوئی مجتہد مطلق بن کر کھڑا ہو جائے اور خلفائے اربعہ، ائمہ اربعہ، تمام محدثین کی متفق علیہ اور مجمع علیہ رائے کے خلاف رجم کے معاملہ میں کہہ دے کہ یہ حد نہیں ہے۔ تو دینی اعتبار سے یہ کتنی خطرناک بات ہے۔ یہ تو تمام اسلاف کے فہم دین کے خلاف اظہار عدم اعتماد ہے۔ رجم کا مسئلہ وہ ہے کہ جس سے خوارج اور چند معتزلہ کے سوا کسی نے اختلاف نہیں کیا، سلفی مسلک کے ماننے والے بھی اس کو "حد" قرار دیتے ہیں۔ امام ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ اسے حد قرار دیتے ہیں۔ پھر اہل سنت کے تمام مسالک کے علاوہ اہل تشیع کے جتنے بھی MANUALS ہیں وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ رجم حد ہے۔ ایسے متفق علیہ مسئلہ کے خلاف اپنا "اجتہاد" پیش کرنا ــــ یہ ہوتا ہے دراصل کسی فتنہ کے آغاز کا سبب۔ //

ان بزرگ کے بارے میں تو میں یہ نہیں کہتا کہ ان کے پیش نظر کسی فتنہ کا آغاز ہے۔ وہ عمر کے جس اسٹیج پر ہیں وہ طبعی عمر کی قریباً آخری اسٹیج کے زمرے میں آتی ہے۔ حسرت ہوتی ہے تو اس بات پر کہ عمر کے آخری حصہ میں کوئی شخص ایسی کمائی لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچے، ان کے لئے تو معاملہ حسرت ناک اور افسوس ناک ہے۔ لیکن وہ نوجوان جو ہیں، ان کا جو اٹھان ہے کہ آج وہ رجم کے معاملہ میں ان بزرگ کے ہم نوا اور وکیل بنے ہیں۔ اس سے پہلے وہ کہہ چکے ہیں کہ قرآن کے قانون میراث کو اور کلالہ کے معنوں کو ان کے سوا آج تک کوئی سمجھا ہی نہیں۔ یہ دعوی یقیناً ایک بالقوۃ (POTENTIAL) فتنہ ہے اس کے اندر یقیناً وہ امکانات موجود ہیں جو کسی فتنہ کو جنم دیا کرتے ہیں۔

اب آخری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے اس DILEMMA یعنی اس دہری مشکل کا حل کیا ہے! یہ DILEMMA کہ ایک طرف قرآن مجید اور سیرت مطہرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کا جو بھی نتیجہ خیز، پائیدار اور مستقل کام ہوگا وہ قرآن کے ذریعہ ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اساسی منہج انقلاب قرآن مجید تھا: يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ حضور نے دعوت و تبلیغ، تزکیہ و تربیت کا کام کیا تو قرآن کے ذریعہ کیا۔ حکمت کی تعلیم دی تو قرآن کے ذریعہ دی۔ صحابہ کرامؓ کو بنیان مرصوص بنایا تو قرآن کے ذریعہ بنایا۔ اب اگر کوئی کام کرنا چاہے گا تو قرآن مجید کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ پانچوں محاذوں کے لئے کارگر اور مؤثر تلوار ایک ہی ہے اور وہ قرآن ہے۔ ماضی قریب کے ہمارے دو اکابر ایک شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور ایک علامہ اقبال مرحوم، وہ اسی کے مؤید اور ADVOCATE ہیں کہ کام اگر ہوگا تو قرآن کے ذریعہ ہوگا۔ دوسری طرف قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکوں کا یہ حشر ہے اسی وجہ سے علمائے کرام کے اندر سوء ظن ہے۔ وہ قرآن کے نام پر اٹھنے والی دعوت اور تحریک سے خطرہ محسوس کرتے ہیں، اندیشوں و خدشات میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ایں ہم بچہ شتر است، ہو سکتا ہے کہ یہ شخص بھی کوئی نیا فتنہ کھڑا کر دے۔ میں جب اس نتیجے پر پہنچا تو اس وقت سے مجھے علماء کرام کے اس موقف سے ایک ہمدردی پیدا ہو گئی لیکن اس DILEMMA کا حل کیا ہے! اس حل کے ضمن میں میرے سامنے ایک پانچ نکاتی پروگرام ہے جو میں آج آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے نام سے میرا ایک کتابچہ ہے، جس میں، میں نے قرآن مجید کے پانچ حقوق بیان کئے ہیں۔ جہاد بالقرآن کے ضمن میں پانچ محاذ میں نے آپ کو گنوائے۔ پانچ ہی وہ نکات ہیں بیان کر رہا ہوں جو اس DILEMMA کا حل ہیں۔ میں اس کو اس اعتبار سے پیش کر رہا ہوں

کرنا محال کام تو قرآن مجید ہی کے ذریعہ کرنا ہوگا۔ البتہ فتنہ سے بچنے کے لئے پانچ نکات، پانچ اصول ملحوظ رکھنے اور پانچ اقدامات کرنے ہوں گے۔

پہلا تو یہ ہے کہ اسلاف کے ساتھ دل کا، محبت کا، عقیدت کا، احترام کا ہمارا تعلق کسی طور سے بھی کٹنے نہ پائے۔ اس کا اس درجہ اور اس حد تک اہتمام کیا جائے کہ اگر ہمارے بزرگوں کی کتابوں میں کوئی ایسی چیز نظر آ بھی جائے جو ہمارے لئے بظاہر قابلِ اعتراض ہو تو اوّلاً ہم اس کی بہتر سے بہتر تاویل کرنے کی کوشش کریں گے اگر تاویل کی گنجائش موجود ہو، لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہم یہ رائے قائم کریں گے کہ یہ قابلِ اعتراض بات ان کی کتاب میں کسی اور نے شامل کر دی ہوگی، اس لئے کہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ اعداء نے بڑے پیمانے پر یہ کام کئے ہیں ——— اس مسئلہ پر پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بڑی تحقیق و تفتیش اور محنت و کاوش سے "تاریخ تصوف" نامی کتاب لکھی تھی، وہ تو فرقہ واریت کی نذر ہو گئی اور وہ منظر عام پر نہ آ سکی، لیکن اس کتاب کا ایک باب وہ تھا جسے کوئی سرکاری ادارہ شائع کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت دی اور میں نے اسے شائع کر دیا، اس باب کا عنوان ہے "اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش" میں آپ کو دعوت دوں گا کہ اس کا مطالعہ ضرور کریں۔ یہ کتاب ہمارے مکتبہ سے دستیاب ہے۔ اس میں چشتی صاحب مرحوم نے سینکڑوں مثالیں جمع کر دی ہیں کہ کتابوں میں باطل پرست خاص طور پر باطنیہ فرقے کے لوگوں اور غالی قسم کے اہل تشیع نے اہل سنت کے صحیح العقیدہ صوفیاء کرام کی کتابوں میں ایسی باتیں شامل کر دی ہیں جو ان کے مسلّمہ صحیح عقیدے اور مشائخ کے خلاف ہیں ان میں تدلیس ہے، تحریف ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے صحیح حوالے کے ساتھ یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ کسی مشہور اور بڑے عالم کی زندگی ہی میں ان کی کتاب میں تحریف و تدلیس ہو گئی۔ وہ کہیں گئے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کی کتاب میں وہ باتیں لکھی ہوئی ہیں جو کبھی ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئی تھیں انھوں نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ یہ کتاب آپ کی ہے اور اس میں یہ لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک سازش کے تحت ہمارے بہت سے بزرگوں کی کتابوں میں تدلیس و تحریف ہوئی ہے۔ لہٰذا اسلاف میں سے کسی معتبر و معتمد عالم اور بزرگ کی کسی کتاب میں کتاب و سنت کے اعتبار سے کوئی قابلِ اعتراض بات نظر آئے گی تو اسے تدلیس و تحریف سمجھا جائے گا۔ ایسے معتمد علیہ کسی بزرگ کی توہین کرنا، ان کی تنقیص کرنا، ان کے احترام کو مجروح کرنا یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ میں اس بارے میں بیان کر چکا ہوں کہ اسلاف سے منقطع ہو کر انسان بے لنگر کا جہاز یا کٹی ہوئی پتنگ بن

کر رہ جاتا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس پر سورہ حج میں بیان کردہ یہ تمثیل بڑی حد تک صادق آتی ہے: خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ جیسے کوئی شخص آسمان سے گر گیا ہو، اب یا تو شکاری پرندے اس کا گوشت نوچ لیں، اسے اچک کر لے جائیں یا وہ ہوا کے رحم و کرم پر ہے کہ وہ اس کو جس کھائی میں چاہے لے جا کر پھینک دے ـــــ یہی معاملہ ہو جائے گا ان لوگوں کا جن کا اسلاف کے ساتھ ادب، احترام، تعظیم، اعتماد اور محبت کا تعلق کمزور پڑ جاتا ہے یا منقطع ہو جاتا ہے۔ اس کو ہمیشہ ایک CRITERION کی حیثیت سے پیش نظر رکھیے اور جو شخص بھی دین کی کسی خدمت کا مدعی ہو، اس کو پرکھنے، اس کے خلوص کو جانچنے کا ایک معیار اور اصول یہ بھی بنا لیجیے کہ اس کی صحبت میں بیٹھنے سے، اس کی باتیں سننے سے، اس کی کتابیں پڑھنے سے آیا اسلاف کے ساتھ دل میں احترام، محبت اور حسن ظن پیدا ہوتا ہے یا اس کے برعکس سوءِ ظن کا معاملہ پیدا ہوتا ہے! یہ بھی گویا اس بات کے لئے ایک اہم پہچان ہوگی کہ جو کام بھی خدمتِ دین یا قرآن کے نام پر اٹھائے آیا وہ صحیح رُخ پر جا رہا ہے یا غلط رُخ پر۔

دوسری بات یہ کہ تقلید جامد اور اجتہاد مطلق کے درمیان ہمیں ایک معتدل راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ تقلیدِ جامد سے میری مراد کیا ہے! یہ کہ بس ایک فقہ کو اس طرح پکڑ کر بیٹھے ہیں کہ اس سے ذرا بھی اِدھر یا اُدھر نہ خود ہوں گے نہ برداشت کریں گے۔ انسان اس معاملہ میں اتنا زود حس اور الرجک ہو جائے کہ کسی دوسرے فقہ کی کوئی بات سامنے آئے تو وہ یہ سمجھے کہ میں کوئی اور ہوں اور یہ کوئی اور ہے "من دیگرم تو دیگری" والا معاملہ ہو جائے۔ یہ درحقیقت وحدتِ امت کے لئے سخت نقصان دہ ہے رہا عوام کا معاملہ تو ان کے بارے میں، میں کہوں گا کہ اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت سے کسی ایک فقہ کو مستقلاً اختیار کر لیں تو مطلقاً کوئی حرج نہیں۔ وہ تو اپنے مسلک کے معتمد علماء سے جا کر فتویٰ لیں گے، انہیں کیا معلوم کہ اس معاملہ میں امام ابوحنیفہؒ کی دلیل کیا ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل کیا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل کیا ہے! اور امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل کیا ہے! اگر معلوم بھی ہو جائے تو ان میں اتنا فہم نہیں ہوتا کہ وہ موازنہ کر سکیں کہ کس کی دلیل قوی اور اقرب الی السنہ ہے۔ لہٰذا ان کے لئے عافیت اسی میں ہے کہ وہ ایک فقہ کی پیروی کریں۔ چونکہ اہل سنت کے تمام فقہی مسالک و مکاتب کا ماخذ کتاب و سنت ہی ہے۔ جیسے ایمان کے سلسلہ میں عوام کے بارے میں، میں نے عرض کیا تھا کہ کسی صاحب یقین و ایمان کی صحبت بھی کفایت کر سکتی ہے۔ اسی طرح سے ان کیلئے کسی ایک فقہ کی پیروی کرنے میں مطلقاً کوئی حرج نہیں۔ البتہ ان پر یہ بات واضح کر دینی ضروری

ہے کہ اہل سنت کے تمام مسالک مبنی بر کتاب وسنت ہیں، تاکہ دوسرے مسلک کے پیروکاروں کے متعلق ان کے دلوں میں غیریت کا احساس بالکل پیدا نہ ہو۔ رہا ان حضرات کا معاملہ جو دین کے خادم ہیں، جو میدان میں آکر دین کی خدمت کر رہے ہیں، جن کے سامنے اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور احیائے دین کی منزل ہے، انھیں تو یقیناً اس تعلیدِ جامد سے نکلنا پڑے گا۔ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ جب ہم مانتے ہیں کہ اہل سنت کے تمام مسالک ہمارا COMMON HERITAGE ہے، ہمارا مشترکہ اثاثہ ہے، ہمارا علمی ورثہ ہے۔ ائمہ اربعہ کو تو ہم مانتے ہیں کہ یہ اہل سنت کے امام ہیں۔ اور امام بخاریؒ کی کتاب کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ: "اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح البخاری" تو کم از کم ان پانچ دائروں کی حد تک تو اپنے قلب اور ذہن کو کشادہ اور وسیع کیا جاتے ـــــ میں نے مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے حوالے سے جو "وحدت امت" کے نام سے مطبوعہ موجود ہے میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے قرآن کی تبلیغ ودعوت کے بارے میں عزائم آپ کو سنا چکا ہوں جن کا اظہار حضرت شیخ الہندؒ نے اسارتِ مالٹا سے واپسی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں علماء کے ایک اجتماع میں کیا تھا۔ اسی کتاب میں بیش قیمت مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایسا واقعہ مفتی صاحبؒ نے بیان کیا ہے کہ اسے آبِ زر سے بھی لکھا جاتے تو بھی اس کی عظمت کا حق ادا نہیں ہوتا اور جس کو جس قدر عام کیا جائے اسی قدر ان شاء اللہ ہمارے یہاں فقہی معاملات میں جو تشتت ہے، اس میں بڑی حد تک اعتدال آ سکتا ہے ـــــ میں کوشش کروں گا کہ اجازت لے کر مفتی صاحبؒ کی اس کتاب کو انجمن کی طرف سے چھپوا کر زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے ـــــ مفتی صاحبؒ راوی ہیں کہ حضرت انور شاہؒ نے ایک موقع میں تنہائی میں بڑی حسرت کے ساتھ مجھ سے کہا: "میاں، مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی"۔ مفتی صاحبؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں۔ اگر عمر ضائع ہوئی تو کس کام میں لگی!۔ تو شاہ صاحبؒ نے کہا کہ میں اپنی بہترین توانائیاں اور صلاحیتیں اس کام میں لگاتا رہا کہ فقہ حنفی کو دوسرے فقہوں کے مقابلے میں زیادہ صحیح ثابت کروں اور اسی کے حق میں دلائل لاؤں حالانکہ یہ بات اللہ کے ہاں پوچھی نہیں جائے گی۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا اس کو سونے سے بھی زیادہ قیمتی چیز جیسے ہیرے جواہرات سے بھی تولا جائے تو وزن میں شاہ صاحبؒ کا قول ان شاء اللہ بھاری رہے گا۔ مفتی صاحبؒ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابو حنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسالک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آتے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطاء (درست مسلک جس میں خطاء کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسلک کو خطاء محتمل الصواب (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں، اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں"

پھر فرمایا:۔

"ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطاء۔ اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ صحیح ہے، لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطاء ہو، اور وہ خطاء ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو، دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا، آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی، برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا"

مفتی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزید الفاظ یہ تھے:۔

"اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ ابو حنیفہؒ کو، نہ مالکؒ کو نہ احمد بن حنبلؒ کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا الغام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنھوں نے نورِ ہدایت چار سو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدانِ حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہؒ نے صحیح کہا تھا یا شافعیؒ نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس، یہ نہیں ہوگا"

وقت کی اہم اور شدید ترین ضرورت ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کا قول اور حضرت مولانا انور شاہ

کاشمیریؒ کے ان اقوال کو کم ازکم دیوبندی اور تھانوی حلقوں میں جتنا پہنچا سکیں پہنچائیں تاکہ جو ان حلقوں کے متوسلین ہیں، ان کے عقیدت مند ہیں کم ازکم ان کی تو آنکھیں کھلیں کہ ہمارے نہایت ہی قابل اعتماد، متقی، متدین یہ دو اکابر اپنی عمر کے آخری دور میں پہنچ کر اپنے تجربات کی روشنی میں کن نتائج تک پہنچے تھے! علمی اور جہاد و حریت کے اعتبار سے جہاں شیخ الہندؒ کا بلند ترین مقام سمجھا جاتا ہے، وہاں حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے اور سب ہی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ محدث اور فقیہہ ہونے کے اعتبار سے وہ چودھویں صدی کی شخصیت نہیں ہیں بلکہ وہ تو پرانے دور کی علمی شخصیتوں کے ساتھ تولے جانے والی شخصیت ہیں۔ انھیں بیہقیٔ وقت کہا جاتا ہے۔ ان بزرگوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں جو باتیں کہی ہیں کاش ان کے متوسلین تو کم ازکم ان پر غور کریں، سوچیں اور اپنے طرز عمل میں ان اکابر کی باتوں کے پیش نظر خوش گوار اور صحت مند تبدیلی لانے کی فکر کریں۔ ان اقوال کی شہادت دینے والے بزرگ کون ہیں! وہ ہیں مفتیٔ پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ جن کے ثقہ راوی ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا ——— شاہ کاشمیریؒ کے خیالات کے پیش نظر ایک معتدل راستہ نکالنا ہوگا۔ خاص طور پر ان حضرات کو جو علمی میدان میں خدمتِ دین اور خدمتِ قرآن میں لگے ہوئے ہیں ——— میں نے اس کے لئے ایک نئی اصطلاح وضع کی ہے۔ میں اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کر رہا ہوں۔ چونکہ بات سمجھانے کے لئے نئی اصطلاحات وضع کرنی پڑتی ہیں، اصلاً یہ اصطلاح میں نے اپنے فقہی موقف کے لئے وضع کی ہے۔ میں اپنے بارے میں کہتا ہوں کہ میں نیم مقلد ہوں۔ میں مقلد ہوں پانچ کا صرف ایک کا نہیں۔ چار تو اہل سنت کے متفق علیہ ائمہؒ ہیں، اور پانچویں امام بخاریؒ، جن کی کتاب کے متعلق سب مانتے ہیں کہ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ"۔ میں ان پانچ کے دائرے کے اندر اندر رہنے میں اپنے لئے عافیت سمجھتا ہوں۔ اللہ کرے کہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ کسی ایسی عظیم شخصیت کو کھڑا کر دے جس کے تقوے، جس کے تدین، جس کے فہم دین جس کی اصابت رائے، جس کے خلوص و اخلاص پر امت کے بڑے حصہ کا بالخصوص علمائے حق کی اکثریت کا اجماع ہو جائے تو وہ تمام فقہی مسالک میں عمیق غور و فکر کے بعد پوری للّٰہیت اور خدا ترسی کے ساتھ امت کو ایک فقہی مسلک پر مجتمع کر دے تو کر دے اور کسی مسئلہ کے متعلق دین کے دائرے کے اندر اجتہاد مطلق کر دے تو کر دے۔ اس دور میں میرے نزدیک ہم جیسے ٹھٹھہ بھیجیے اس طرح کی حرکت کریں گے تو دین کے خلاف بغاوت اور ایک بہت بڑے فتنہ کا آغاز کرنے کا باعث بنیں گے۔ رہیں اس دائرے کے اندر لیکن یہ نہیں کہ بس ایک ہی ہو۔ عوام کا معاملہ اور ہے وہ اپنے مسلک

کے مطابق عمل بھی کریں اور روزمرہ کے مسائل میں اپنے ہی مسلک کے معتمد علماء کی طرف رجوع کریں، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہی ہدایت میں نے تنظیم اسلامی کے رفقاء کو دی ہے۔ فقہی مسائل کے بارے میں، میں اپنی رائے کے اظہار سے بھی حتی الامکان گریز کرتا ہوں۔ البتہ میرا ایک مزاج ہے۔ میں اسے چھپانا نہیں چاہتا۔ میں مقلدِ محض نہیں ہوں۔ میں نیم مقلد ہوں۔ میں ان پانچوں ائمہ کا مقلد ہوں، ان پانچوں دائروں سے باہر جانے کو میں غلط سمجھتا ہوں، یہ ہماری مشترک متاع ہے ان دائروں کے اندر اندر جس کی رائے کو بھی اقرب الی السنہ اور اقرب الی الصواب سمجھتا ہوں، اس کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں ——— میرے مزاج، میری افتادِ طبع اور میری احتیاط کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ آپ کے اس شہر لاہور ہی کی نہیں بلکہ عالم اسلام کی مشہور علمی درس گاہ اور دارالعلوم کی ایک جید شخصیت، عالم دین، شیخ الحدیث کی خدمت میں آج سے قریباً ڈھائی سال قبل میں نے حاضر ہو کر اپنی تمام کتابیں ان کے قدموں میں ڈال دیں اور ان سے عرض کیا کہ اگر ان میں سے آپ کسی ایسی بات کی نشان دہی فرما دیں جو ائمہ اربعہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے دائرے سے باہر کی ہے تو میں ان کو اپنی کتابوں سے حذف کر دوں گا ——— میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف حنفیت میں منحصر ہے تو میرا راستہ اور ہے اور آپ کا اور ——— انھوں نے کہا ہم ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہیں، جب کہ ہم ان سب کو اہل سنت کے ائمہ تسلیم کرتے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ میں انشاء اللہ ان تمام باتوں سے رجوع کر لوں گا جو امت کے مسلمہ ان پانچ ائمہ عظام کے دائرے سے باہر کی ہوں گی۔

اس پروگرام کی تیسری شق دعوت رجوع الی القرآن سے متعلق ہے۔ میں نے اشارہ کیا تھا کہ جب میں نے دعوت کا آغاز کیا تھا تو چند اصول پلے باندھ لئے تھے۔ کام کے ساتھ ساتھ بفضلہٖ تعالیٰ ان اصولوں پر وثوق حاصل ہوتا رہا اور اللہ کی توفیق سے چند اور اصول بھی سامنے آتے رہے جن کو میں نے ہمیشہ پیش نظر رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ وہ اہم اصول پیش کئے دیتا ہوں۔

دعوتِ الی القرآن کا ایک تعلق احکام سے ہے۔ اس ضمن میں میرا ایک مستقل اور اٹل موقف رہا ہے۔ اور وہ بالکل منطقی ہے کہ اس کا سارا دارومدار اور تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ حضورؐ سے جتنے زیادہ قریب تھے، اسی نسبت سے سب سے زیادہ استفادہ انہوں نے کیا۔ یہ حضرات تھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ نمبر دو پر تابعین، صحابہ کرامؓ

کے تربیت وصحبت یافتہ اور نمبر تین پر آتے ہیں تبع تابعین۔ تابعین سے مستفیض و مستفید ہونے والے اور تربیت پانے والے حضرات رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ــــــ اسی کی وضاحت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے آغاز میں ہمیں ان الفاظ میں ملتی ہے کہ خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ. جو جتنا دور تھا، اس کا فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے، جو جتنا قریب ہے وہ اتنا ہی قابل اعتماد ہے۔ اس نے اگر حضورؐ کو نہیں دیکھا تو حضورؐ کے تربیت یافتہ لوگوں کو دیکھا ہے، ان کی صحبت اٹھائی ہے۔ اگر ان کو نہیں دیکھا تو ان کے تربیت یافتہ لوگوں کو دیکھا ہے ان سے فیض اور افادہ حاصل کیا ہے تو امت کا یہ جو تواتر عمل ہے یہ سنّت کو معلوم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ لہٰذا احکامِ دین کا جہاں تک تعلق ہے، اس میں کوئی نئی بات کہنا فتنہ ہے، یہ ہے اصل فساد کی جڑ۔ اس میں تو کوشش ہو کہ پیچھے اور پیچھے جاؤ حتیٰ کہ پہنچ جاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　　اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست!

جہاں تک دین پر عمل کا تعلق ہے تو میں عرض کر دوں کہ ایک پارے کے بقدر بھی وہ آیات نہیں بنیں گی جو عملی طور پر احکام دین سے متعلق ہیں، جن سے فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہے عمل کا اصل میں سارا دار و مدار سنتِ رسولؐ پر ہے۔ قرآن مجید میں نماز کی کتنی تاکید ہے۔ اسے ہر وہ شخص جانتا ہے جس کا دین سے ذرا بھی تعلق ہے۔ بلکہ اس بات کو تو وہ بھی جانتے ہیں جن کا دین سے عملی تعلق منقطع ہے لیکن نماز کی ہیئت اور ترتیب کہاں سے ملے گی! اوقات کہاں سے ملیں گے! قرآن میں اشارات ہیں لیکن نماز سے متعلق پورا نظام سنتِ رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ملے گا: صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ "نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو" لہٰذا جہاں تک احکامِ دین اور فقہی مسائل کا تعلق ہے وہ سنّت میں ملیں گے سنّت ہی احکام قرآن کی عملی تفسیر ہے، اسی سے استنباط ہوگا، استشہاد ہوگا، حتیٰ کہ اجتہاد ہوگا لہٰذا اس معاملہ میں پیچھے سے پیچھے جائیے۔ آگے مت جائیے۔ احکام کے بارے میں ائمۂ مجتہدین اور محدثین کے دائرے سے باہر قدم نہ نکالیے۔

دوسرا یہ اصول میں نے گرہ میں باندھ رکھا ہے کہ قرآن اور احادیث صحیحہ میں جو معجزات، خارق عادات اور محیر العقول برکات و واقعات مذکور ہیں ان سب پر ہمیں حرف بہ حرف (LITERALLY) ایمان لانا ہوگا، اس لئے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ جس

رب اور خالق کائنات سے انسان کا تعارف کراتا ہے، وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی شان کا بھی حامل ہے۔ وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ بھی ہے، اور صرف وہی الملک، القدوس اور العزیز الحکیم ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں، میں کسی تاویل کا روادار نہیں۔ ان کو جوں کا توں قبول کرنا میں ایمان کا لازمی جزو سمجھتا ہوں۔

تیسری بات یہ کہ قرآن مجید میں جن انبیاء و رسل اور جن اقوام و ملل کا ذکر ہے، وہ بطور تذکیر اور بطور عبرت ہے۔ قرآن تاریخ یا جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے کہ جس میں تمام معلومات بیان یا جمع کر دی گئی ہوں، اس ضمن میں میری رائے ہے کہ تمدن کی ترقی کے ساتھ، علم، جستجو، تحقیق اور معلومات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا آرہا ہے اور ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا اس معاملہ میں اگر ہمارے متقدمین علماء، محققین اور مفسرین کی آراء موجودہ تحقیقات و معلومات اور فراہم شدہ DATA سے مطابقت نہ رکھتی ہوں تو یہ بالکل فطری بات ہے، اس سے متوحش اور تشویش میں مبتلا ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ انشاء اللہ جوں جوں تحقیقات و معلومات کا دائرہ وسیع ہوگا اس کے نتیجہ میں قرآن مجید کی حقانیت مزید مبرہن ہوتی چلی جائے گی اور قرآن میں جو اشارات ہیں وہ کھلتے چلے جائیں گے، اور جو اجمال ہے وہ واضح ہوتا چلا جائے گا۔

اسی طرح قرآن حکیم سائنس کی کتاب بھی نہیں ہے، اصلاً یہ کتاب ہدایت ہے، ھُدًی لِّلنَّاسِ ہے۔ لیکن یہ خالق کائنات کا کلام ہے لہٰذا اس میں بے شمار SCIENTIFIC PHENOMENA کی طرف اشارے کئے گئے ہیں۔ کوئی اشارہ GEOLOGY (علم طبقات الارض) سے متعلق ہے، کوئی چیز ASTRONOMY (علم فلکیات) کے میدان کی ہے۔ کوئی چیز BIOLOGY (علم الحیات) سے تعلق رکھتی ہے۔ کوئی چیز PHYSIOLOGY (علم الابدان) اور کوئی چیز EMBRYOLOGY (علم جنینیات) کے دائرے کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں EMBRYOLOGY کا کتنی بار REFERENCE آیا ہے کہ نطفہ ہوتا ہے، علقہ (لوتھڑا) ہوتا ہے، مضغہ (بوٹی) ہوتا ہے۔ پھر عظام (ہڈیوں) کا مرحلہ آتا ہے۔ پھر اس پر لحم (گوشت) چڑھتا ہے۔ پھر وہ زندہ انسان کی صورت میں رحم مادر سے تولد ہو جاتا ہے۔ الغرض جتنے بھی سائنٹفک پہلو اور گوشے ہیں، ان سب کے متعلق قرآن مجید میں اشارات موجود ہیں۔ ان کے متعلق جدید تحقیقات کی روشنی میں اگر یہ رائے دی جائے کہ ہمارے متقدمین علماء و مفسرین ان امور کو سمجھ نہ پائے تو یہ کوئی اچنبھے اور چونکا دینے والی بات نہیں۔ ان کے زمانے میں سائنس

کا علم جس STAGE پر تھا، ظاہر بات ہے کہ وہ اسی کے مطابق قرآن مجید کے اشارات کی توجیہہ، تاویل، تشریح و توضیح کریں گے۔ ان کے دور تک سائنسی معلومات کا دائرہ بہت محدود تھا، اس سے آگے وہ کیسے جاتے! کوئی بھی اپنے دور کی موجود معلومات کے دائرے سے آگے نہیں جا سکتا سات آسمانوں کی انھوں نے جو تعبیر کی۔ برجوں کی انہوں نے جو توجیہہ کی، كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ کی جو تعبیر کی یا جو بھی انہوں نے سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ کا مفہوم سمجھا، ان سب کو انہوں نے اس وقت کے فراہم شدہ DATA کی روشنی میں سمجھا اور بیان کیا۔ سائنس نے ہمارے دور میں جو ترقی، جو تحقیق کی ہے جو انکشافات کئے ہیں ان کی روشنی میں اب ان کی جو تعبیر اور توجیہہ کی جائے گی، جو مفہوم بیان کیا جائے گا تو یہ بات غلط نہیں ہوگی اور نہ اس سے ہمارے متقدمین کی کوئی توہین یا تنقیص ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں چند ایسے حقائق سامنے آئیں جو موجودہ تحقیقات سے بھی آگے کے ہوں لہٰذا قرآن کے عجائبات بھی مزید واضح ہوتے رہیں گے۔

اسی طرح قرآن حکیم تخلیق کائنات کے جو ادوار اور تخلیق آدم کے جو مدارج بیان کرتا ہے پھر آفاق و انفس سے توحید باری تعالیٰ کے متعلق جو بدیہی اور فطری استدلال پیش کرتا ہے ان سب کو جدید دور کے مسلّم انکشافات، تجربات اور SCIENTIFIC FACTS کی روشنی میں موجودہ تعلیم یافتہ طبقے کی تفہیم و تعلیم کے لئے جدید اصطلاحات کے حوالے سے بیان کرنا ضروری ہوگا۔ یہی ابلاغ کا تقاضا ہے۔ اس کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح موجودہ دور کے تمام مادہ پرستانہ نظریات، ملحدانہ افکار اور طاغوتی نظام ہائے زندگی کے مقابلے میں قرآن کی انقلابی دعوتِ توحید پر ایمان لانے اور پھر اس ایمان و ایقان کے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق جو مقتضیات، مضمرات، مطالبات اور توحید کی جو COROLLARIES ہیں، اس کے جو صریح و منطقی اور بدیہی نتائج ہیں، ان کو موجودہ دور کی اصطلاحات کے حوالے سے پیش کرنا ضروری ہے۔ یعنی انسان کی ابن آدم ہونے کے باعث کامل مساوات۔ اللہ کے نزدیک اکرم و اشرف وہ ہے جو اللہ کا سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہو: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ——— ہر نوع کی انسان کی حاکمیتِ مطلقہ کی نفی۔ یعنی اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کی توضیح اور اثبات اور حاکمیت کی جگہ خلافت کا تصور ——— ملکیت مطلقہ کی نفی اور لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کی

تشریح اور ملکیتِ مطلقہ کی جگہ امانت کا تصور ——— حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کے بارے میں جو ایک طویل حدیث آئی ہے ۔ میرے نزدیک اس کے آخری الفاظ ۔ ولا یشبع منہ العلماء ولا یخلق من کثرۃ الرد ولا تنقضی عجائبہ یعنی علماء کبھی اس کتاب سے سیر نہ ہو سکیں گے ۔ نہ کثرت و تکرارِ تلاوت سے اس کے لطف میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اس کے عجائبات یعنی نئے نئے علوم و معارف کا خزانہ کبھی ختم ہو سکے گا" اس کا حقیقی مفہوم یہی ہے کہ دنیا میں قرآن مجید، فرقانِ حمید ہی اس ہدایت کی حامل کتاب ہے جو ہر دور کے مشرکانہ خدا ناآشنا اور ملحدانہ تمام نظام ہائے زندگی کے مقابلے میں توحید پر مبنی، ہر نوع کے استحصال، تعدی استبداد سے پاک اجتماعی نظام عدل و قسط انسان کی رہنمائی اور فلاح کے لئے پیش کرتا ہے ۔ اسی نظام کو بالفعل قائم کرنے کی جدوجہد ہی اقامتِ دین کی جدوجہد ہے اور میری پختہ رائے ہے کہ جب تک موجودہ اصطلاحات کے حوالے سے دین حق کو دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا نہ دعوت و تبلیغ کا کماحقہ حق ادا ہوگا، نہ ابطالِ باطل ہوگا نہ احقاقِ حق ——— چنانچہ میں اپنی دعوت میں ان تمام امور کو ملحوظ رکھتا ہوں اور انشاء اللہ رکھوں گا ۔ میرے نزدیک اسی طرزِ فکر و عمل کا نام ہے **حکمتِ دین** ——— میں نے آج یہ باتیں آپ کے سامنے قدرے تفصیل اور مربوط طریقے سے بیان کی ہیں ۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ میں جو کچھ بھی اپنی استعداد و استطاعت کے مطابق قریباً بیس برس سے کام کر رہا ہوں اور دن رات جس کام اور جس دعوت کی دُھن مجھ پر مسلط ہے وہ بحمد اللہ انہی اصولوں کے تحت ہے ۔ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے خزانہ فضل سے مزید توفیق و ہمت دے کہ اس کی کتاب عزیز کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکوں اور اس کے علوم و معارف کی توضیح و تشریح کی سعادت پا سکوں اور اسی حال میں آخرت کے لئے رختِ سفر باندھوں ۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ اس دورِ فتن میں جبکہ : ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا نقشہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا ناآشنا اور ملحدانہ نظریات، افکار، تہذیب اور نظام ہائے زندگی کے باعث پوری دنیا میں فساد رونما ہو چکا ہے، انسانیت تیزی کے ساتھ ہلاکت خیزی کی طرف چلی جا رہی ہے ۔ امتِ مسلمہ جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دعوت الی اللہ اور دعوت الی الخیر کے لئے برپا کی گئی تھی، كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ، وہ خود خوابِ غفلت میں پڑی

ہوتی ہے۔ لہٰذا اس دور میں کرنے کا اصل کام کیا ہے! وہ ہے نوعِ انسانی کو دعوتِ توحید و ایمان دینا اور توحیدِ علمی و عملی کو بالفعل قائم کرنے کی جد و جہد کرنا۔ اسی کا نام تکبیرِ رب ہے، اسی کا نام اظہارِ دین الحق علی الدین کلہٖ ہے ـــــ اب جو بھی دعوت اور تحریک اس مقصد کو لے کر اٹھے اس کے سربراہ اور رفقاء کو اپنے اوپر لازم کر لینا چاہیئے کہ وہ علماءِ حق سے ربط و ضبط رکھیں گے، اپنے اوقات و مصروفیات میں سے وقت نکالیں گے اور ان کی خدمت میں حاضری دیں گے، ان سے رہنمائی حاصل کریں گے، معلوم کریں گے کہ ان کے مغالطے کیا ہیں! ان کے خدشات کی نوعیت کیا ہے! بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انھیں کوئی غلط بات پہنچا دی جاتی ہے، ہمارے موقف کے متعلق انھیں مغالطے دے دیتے جاتے ہیں۔ وہ اپنی نیک نیتی سے راویوں پر اعتماد کر کے ان غلط خبروں کو درست مان لیتے ہیں، چونکہ جو شخص خود نیک نیت ہوتا ہے وہ دوسروں کے ساتھ بھی حسنِ ظن کا معاملہ کرتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کے لئے بیعت کا جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے تو قریباً ڈیڑھ دو سال قبل اس کے خلاف اخبارات میں تین علماء کا فتویٰ شائع ہوا تھا، جس میں بیعت کے طریقہ کار کو کسی دینی ہیئتِ اجتماعی کی تشکیل کے لئے غلط قرار دیا گیا تھا۔ تو اس ضمن میں جب میں نے ایک عالمِ دین سے رجوع کیا، ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ انھوں نے مجھے بتایا کہ مجھے تو وہ بیان دکھایا ہی نہیں گیا۔ مجھے تو فلاں صاحب نے ٹیلیفون پر کچھ بتایا تھا۔ اس میں بیعت کا مسئلہ تھا ہی نہیں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس پر آپ کا نام بھی دے دیا جائے۔ انھوں نے جن صاحب کا نام لیا وہ بھی ایک ابھرتی ہوئی بڑی مذہبی شخصیت ہیں۔ لہٰذا انھوں نے نیک نیتی سے سمجھا کہ اتنی بڑی شخصیت جو بات بتا رہی ہے وہ صحیح ہوگی، اس لئے انھوں نے اپنے نام کی شمولیت کی منظوری دے دی۔ چنانچہ ان کی خدمت میں حاضری کا یہ فائدہ ہوا کہ پھر ان بزرگ نے اپنا تردیدی بیان اخبارات کو جاری کرایا کہ "میرے نزدیک دینی ہیئتِ اجتماعیہ کے لئے بیعت کے طریقِ کار کے اختیار کرنے میں شرعی نقطۂ نظر سے قطعاً کوئی قباحت نہیں ہے" یہ بات ان بزرگ کی نیک نفسی اور خلوص کی دلیل ہے۔ اگر میں ان کی خدمت میں حاضر نہ ہوا ہوتا تو یہ غلط بات بڑھتی، اس کے نہ معلوم کہاں کہاں اور کیا کیا اثرات مترتب ہوتے۔ لیکن ربط و ضبط کے ذریعہ سے مغالطوں اور سوءِ ظن کو اگر بالکل نہیں تو بہت حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ میں ان صاحب کے پاس بھی گیا جنھوں نے ٹیلی فون پر ان عالمِ دین سے گفتگو کی تھی۔ ان سے تبادلۂ خیال اور افہام و تفہیم بھی کی جو اگرچہ نتیجہ خیز نہیں ہوئی لیکن بہرحال

میں نے دلائل کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر ان کے سامنے رکھ دیا۔

پانچویں اور آخری نکتے کے متعلق میں پوری دیانت داری سے عرض کرتا ہوں کہ میرا موقف یہ ہے کہ صرف وقتی تدبیر کے طور پر نہیں بلکہ قلب کی گہرائیوں سے ہر وہ دعوت جو اقامتِ دین کو اپنا ہدف بنا کر کھڑی ہوئی ہو، اس کے لئے لازم ہے کہ علمائے حق کا اعتماد CONFIDENCE حاصل کرے۔ اس کے لئے پوری کوشش کرے، بھرپور کوشش کرے۔ میں دعویٰ کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ کوئی شخص اپنی جگہ کتنا ہی پھنے خان بنا پھرتا ہو، وہ اس وقت تک امت کے اندر دین کا کوئی مؤثر کام نہیں کر سکے گا جب تک وہ ان علماء کا اعتماد حاصل نہ کرے جن کے متعلق اسے یہ یقین ہو کہ ان میں للہیت ہے، خلوص و اخلاص ہے، تقویٰ ہے اور ان میں انانیت و نفسانیت نہیں ہے۔ چھوڑ دیجئے ان کو جو علمائے سوء ہیں، جن کو اپنی گدیوں کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، جنھیں یہ اندیشہ ہر وقت پریشان کئے رکھتا ہے کہ ہمارے گلے کی بھیڑیں ٹوٹ کر کسی اور کے گلے میں شامل نہ ہو جائیں۔ جہاں تک ہمارے علمائے حقانی کے اندیشوں اور خدشات کا تعلق ہے اس کے اسباب میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ وہ ان کے تلخ تجربات کی وجہ سے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب بھی ان کے سامنے ان کے پورے احترام و ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا موقف پیش کیا جائے گا اور ان سے مستقل و مسلسل ربط و ضبط قائم رکھا جائے گا تو انشاء اللہ العزیز ان کی تائید اور ان کی دعائیں ضرور حاصل ہوں گی۔

یہاں تک ان پانچ احتیاطی نکات کے متعلق میری معروضات ختم ہوئیں۔ مجھے احساس ہے کہ مقررہ وقت سے زیادہ وقت ہو گیا ہے۔ اب میں آپ کو چند باتیں یاد دلا کر اپنی معروضات جلد ختم کروں گا۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام ۱۹۷۳ء میں اغلباً پہلی قرآن کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں کون کون سے لوگ تشریف لائے تھے، اس میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تھے۔ جو لوگ اس کانفرنس میں شریک تھے انہیں یاد ہو گا کہ اس وقت میں نے کہا تھا کہ ہمارے یہاں قران السعدین اس ساعت اور گھڑی کو کہا جاتا ہے جب دو سعید چیزیں جمع ہو جائیں لیکن یہاں تو بفضلہٖ قران السعداء ہو گیا ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس پہلی کانفرنس میں عظیم شخصیتوں کے جانشین موجود تھے۔ وہاں ایک طرف مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ تشریف فرما تھے جو مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اشرفیہ کے صاحبزادے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے اسٹیج پر مولانا

عبیداللہ انور صاحب مدظلہ تشریف فرما تھے جو مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور جانشین ہیں اور تیسری عظیم شخصیت جو علمائے دارالعلوم دیوبند کی جانشینی کے اعزاز اور شرف رکھتے تھے، تشریف رکھتے تھے یعنی مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ونور اللہ مرقدہ۔ میری تو ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ جملہ مکاتب فکر کے علماء کو ایک اسٹیج پر قرآن کا پیغام خلق خدا تک پہنچانے کے لئے جمع کیا جائے۔ چنانچہ ہماری قرآن کانفرنسوں میں جو اہم دینی وعلمی شخصیتیں شریک ہوتی رہی ہیں، ان میں سے چند نام پیش کرتا ہوں۔ مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، نامور عالم و محدث حضرت مولانا محمد گوندلوی مدظلہ ..... ، مولانا مفتی محمد حسین صاحب یعنی، مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی مدظلہ خلف مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (موجودہ جسٹس شریعت کورٹ) مولانا ابوبکر غزنوی مرحوم، مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم۔ مولانا محمد طاسین صاحب مدظلہ۔ ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب مدظلہ (موجودہ چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل) مزید براں بھارت کے کئی نامور علمائے کرام اور اہل دانش و بینش نیز بہت سے ہمارے ملک کے نامور علمائے کرام اور دانشوران قرآن کانفرنسوں کی صدارت، ان میں شرکت اور اپنے بیش بہا خیالات سے حاضرین کو مستفیض فرما چکے ہیں۔ نیز مولانا حامد میاں مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ خود تشریف نہیں لا سکے۔ لیکن ہر کانفرنس کے لئے انہوں نے باہتمام اپنا وقیع مقالہ ارسال فرمایا۔ اس وقت جلدی میں جو نام نوک زبان پر آئے ان کو بیان کر دیا گیا ہے ورنہ الحمدللہ ہر کانفرنس اس لحاظ سے بے مثال تھی کہ قرآن مجید کے پیغام کے لئے ہر مسلک کے علماء نے تعاون فرمایا ——— جو حضرات میرے قریب ہیں وہ جانتے ہیں کہ رجم کے سلسلہ میں جن بزرگ کا ذکر ہوا ہے، اس وقت میرا ان سے بڑے قرب کا معاملہ رہا تھا۔ تو اس وقت انھوں نے میرے اس طرز عمل پر یہ کہہ کر تنقید کی تھی کہ ان مولویوں کو سر پر بٹھا کر کیا لینا ہے۔ ان مولویوں کی تو ہمیں تردید کرنی ہے۔" لیکن اللہ کا فضل یہ ہے کہ میرا مزاج یہ نہیں ہے۔ میں علماء کرام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ مؤدبانہ حاضر ہوا کرتا ہوں اور میں تو یہ سمجھا کرتا ہوں کہ میرے لئے تحفظ کی ایک چیز یہ ہے کہ میں عالم دین نہیں ہوں، محض قرآن مجید کا ایک طالب علم اور ادنیٰ خادم ہوں۔ ورنہ اگر کہیں مجھے بھی کوئی غرۂ علمی ہو گیا ہوتا۔ میں بھی کسی زعم میں مبتلا ہو گیا ہوتا تو اس عُجب کی وجہ سے میرے دماغ میں بھی خناس پیدا ہو گیا ہوتا جو میرے لئے آخرت میں ہلاکت کا سبب بن جاتا۔ میرے لئے سب سے بڑی ڈھال یہی ہے کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں امی رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی امتی ہوں اور میں صمیم قلب سے اللہ تعالیٰ سے کسی عُجب میں مبتلا ہونے سے پناہ کا طالب رہتا ہوں۔

مجھے ایک بات اور یاد آئی۔ "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" نامی میرا جو کتابچہ ہے، وہ میں نے ۱۹۶۶ء میں لکھا تھا۔ اس کا پہلا ایڈیشن جو قریب الختم تھا اس کا ایک نسخہ ۱۹۷۰ء میں، میں نے مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا جب کہ وہ مسجد نبوی میں معتکف تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت! اس کو بنظر غائر ملاحظہ فرمالیجئے چونکہ میں اسے بڑے پیمانے پر پھیلانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ارادہ میرا ہے اس کو پورا کرنے والا اللہ ہے۔ مجھے آپ کی رہنمائی درکار ہے اگر کوئی غلطی ہو تو نشان دہی فرمائیں، میں اس کو درست کرلوں گا۔ مولانا نے ازراہ شفقت اور ازراہ تعاون علی البر میری درخواست قبول فرمالی۔ اعتکاف کی حالت میں مسجد نبوی میں اُسے پڑھا اور صرف ایک جملہ میں ترمیم فرمادی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس ترمیم سے وہ جملہ مزید نکھر آیا۔ میرا جو مفہوم تھا وہ اس ترمیم سے اور واضح ہوگیا۔ میرے جملہ سے جس مغالطے کے پیدا ہونے کا امکان تھا، بحمداللہ مولانا نوراللہ مرقدہ کی ترمیم سے اس کا احتمال ختم ہوگیا۔ تو اللہ کے فضل و کرم سے میرا مزاج تو یہ ہے۔ آج سے نہیں ہے ابتداء سے ہے۔ اس عُجب اور تکبر کو میں ہی ہوں، میں نے ہی سمجھا ہے، الحمدللہ میں اس سے بچنے کی شعوری طور پر اللہ سے پناہ طلب کرتا رہتا ہوں۔ نبی اکرمؐ نے تین مہلکات میں سے اس عُجب کو شدید ترین باعث ہلاکت قرار دیا ہے آپ سے بھی درخواست ہے کہ میرے حق میں دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے مجھے بچائے جو بھی کام کرنے کی توفیق ملی ہے اسی کے فضل وکرم سے ملی ہے۔

کل رمضان المبارک کی ۲۹ ویں شب کو جامع قرآن، قرآن اکیڈمی میں ہمارا دورہ ترجمہ قرآن ختم ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے یہ کام تکمیل کو پہنچا ہے۔ آج صبح مجھے خیال آرہا تھا جس کو آپ حضرات کے سامنے بیان کردینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں تو دل سے بات کرتا ہوں اور کھلی بات مجھے ایک امید ہوئی ہے کہ جیسے ہم نے "قرآن کانفرنس" کے سلسلہ کا ۱۹۶۳ء میں آغاز کیا تو وہ اتنا عام ہوگیا کہ جس کے بعد مختلف دینی حلقوں کی طرف سے قرآن کانفرنسوں کا سلسلہ شروع ہوا جو مسلسل جاری ہے۔ ہمیں اس پر خوشی ہے، ہم نے کچھ اور نئے کام شروع کئے تو اس منہج پر بھی کام شروع ہوگیا۔ اللہ سب کو توفیق دے اور سب کے کاموں میں برکت دے، ان کو دین کے لئے سازگار بنائے۔ ایک کام کے لئے بیسیوں ادارے ہوں، سینکڑوں

اشخاص ہوں، لیکن آپس میں ٹکراؤ نہ ہو، تصادم نہ ہو تو یہ بڑی نیک فال ہے۔ اسی طریقے سے میری معلومات کی حد تک رمضان المبارک میں تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن پہلی مرتبہ پایۂ تکمیل تک پہنچا ہے۔ جن لوگوں کو توفیق ملتی ہے اور جن میں ذوق و شوق ہے وہ تراویح پڑھتے ہیں۔ اگر تراویح سے قبل اور پھر ہر ترویحہ میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کا صرف ترجمہ سنا دیا جائے تو میرا اندازہ ہے کہ شرکاء چاہے وہ عربی سے بالکل ہی ناواقف ہوں کم از کم پڑھے جانے والے قرآن مجید کے پچیس فیصد حصے کے مفہوم کو سمجھتے چلے جائیں گے۔ اس لئے کہ ترجمہ کے ذریعہ قرآنی الفاظ کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی قائم ہو جاتی ہے —————— ان کو فوراً سنا دیا جاتے تو یہ ذہنی رابطہ معنی اور مفہوم کو سمجھنے میں ممد ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے اور بڑی بڑی مساجد میں بڑے پیمانے پر ہمارے علماء کرام اس کام کی طرف توجہ دیں تو میرے نزدیک یہ بہت بڑا BREAK THROUGH ہو جاتے گا اور جیسا کہ ہمارے بعض احباب نے کل ختم قرآن کے موقع پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا کہ یہ کام جتنا کٹھن نظر آ رہا تھا، اتنا کٹھن ثابت نہیں ہوا سینکڑوں کی تعداد میں جن لوگوں نے شرکت کی ہے، ان میں اکثر وہ حضرات بھی تھے جو رات دو بجے تک اس پروگرام میں شریک رہے اور دن کو انہوں نے اپنے معمولات کے مطابق کام پورے بھی کئے۔ اور الحمد للہ یہ نہیں ہوا کہ شروع شروع میں لوگ آ گئے ہوں پھر جوش ٹھنڈا پڑ گیا ہو، مسلسل حاضری بڑھتی چلی گئی، ۲۷ویں شب کو تو یہ حال ہو گیا تھا کہ ہماری جامع قرآن میں —————— بہت سے حضرات کو تراویح ادا کرنے کی جگہ نہیں ملی انھیں کھڑے رہنا پڑا۔ کل رات بھی صورت حال یہ تھی کہ مسجد بالکل PACKED تھی۔ کل ہی بہت سے شرکاء نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر اللہ کو منظور ہوا اور میری زندگی میں اگلا رمضان آنا ہے اور مجھے اس کام کی دوبارہ توفیق ملی تو کیا کریں گے، مسجد میں تو زیادہ سے زیادہ سات سو اشخاص کے لئے نماز باجماعت ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ اس میں وسعت کا کوئی امکان نہیں، بہرحال ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ہال کے اوپر دوسرا ہال تعمیر کر لیں، کام کا آغاز ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ جلد مکمل ہو جائے گا۔ لہٰذا DOUBLE STOREY تو ہم کر لیں گے۔ اس سے آگے ہم شاید فی الحال نہ جا سکیں، لیکن تمنا یہ ہے کہ اللہ کرے ہمارے واجب الاحترام رجال دین کی توجہ اس طرف مبذول ہو جاتے اور وہ اس کام کو شروع فرما دیں تو میرے نزدیک یہ کام بہت مفید ہو گا۔ خاص طور پر جاہلیت قدیمہ کے تمام مشرکانہ اوہام کی جڑیں کاٹ دے گا۔ اور شفاعتِ باطلہ کے جو عقائد ذہنوں میں بیٹھے

ہوتے ہیں ان کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکے گا، اوہام کا طومار انشاء اللہ تراویح کے ساتھ لفظی ترجمہ کے ذریعے چھٹتا چلا جائے گا اور توحید خالص نکھر کر اذہان میں جاگزیں ہوتی جائے گی۔ اس لئے کہ ترجمہ سننے کے بعد جو شخص بھی تراویح کی نماز ادا کرے گا تو قرآن مجید کا اعجاز ظاہر ہوگا اور جاہلیت قدیمہ کا قلع قمع ہوتا چلا جائے گا۔

میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں، آپ بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی اب تک خیر کی توفیق بخشی ہے وہ عزّ وجلّ وہ الشکور الحلیم اسے شرفِ قبولیت بھی عطا فرمائے اور دوسرے لوگوں کو بھی ہمت دے کہ اگر میرے ساتھ جڑ کر، مل کر اور میرے دست و بازو بن کر یہ کام کرنا چاہیں تو ان کے دلوں کو انشراح عطا فرمائے، نہیں تو ان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ صحیح نہج پر دین کا کام کریں۔ یہ صرف میرا کام نہیں ہے۔ یہ ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے اپنا تن، من، دھن لگائے اور اللہ تعالیٰ ایسے تمام لوگوں کی مساعی کو مشکور فرمائے۔ اگر ہمارے دلوں میں خلوص ہوا تو آج نہیں تو کل ہم جمع ہو جائیں گے: اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے کسی بارے میں اس وقت کوئی اندیشہ ہو، کسی کو میرے بارے میں خدشات ہوں تو اپنی اپنی جگہ خلوص و اخلاص اور خشیتِ الٰہی کے ساتھ کام کریں گے تو ہم یہاں جمع نہ بھی ہو سکے تو دین کی جو بھی صحیح خدمت ہوگی، وہ انشاء اللہ مستقبل میں ایک جگہ جمع ہوگی اور آخرت میں تو ہم سب کو بالآخر جمع ہونا ہی ہے: اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔

اقول قولی هذا و استغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۳۱
۳۱

قسط ۲

جہاد بالقرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

جہاد کی تیسری منزل سب سے کٹھن، سب سے بھاری اور سب سے مشکل ہے۔ دین کو غالب کرنے کے لئے، قائم کرنے کے لئے، نافذ کرنے کے لئے، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے، اس مقصد کے لئے کہ دین کا تجزیہ اور اس کے حصے بخرے کئے بغیر وہ کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے؛ جہاد کرنا جیسے انفرادی سطح پر: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ آیا تھا، ویسے ہی اجتماعی سطح پر دین کے غلبہ کے لئے جہاد کی بلند ترین چوٹی ذروۂ سنام کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے، جیسے فرمایا: وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ یہ ہے سب سے کٹھن اور مشکل مرحلہ، اس کی وجہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ پہلی منزل پر ذاتی سطح پر نفس کے ساتھ کشمکش تھی۔ دوسری منزل پر اہل زیغ کے ساتھ نظریاتی اور فکری سطح پر کشمکش تھی۔ اس تیسری منزل پر طاغوتی نظام کو ہٹانے کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے، اس لئے کہ دو نظام کسی حال میں بھی CO-EXIST نہیں کر سکتے۔ پچاس مذہب بھی ایک بالاتر نظام کے تحت اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ مذاہب کے مابین PEACEFUL CO-EXISTANCE ہو سکتی ہے۔ یہ بالکل عملی بات ہے PRACTICABLE ہے۔ اس لئے کہ دنیا کا غالب تصور یہی ہے کہ مذہب تو لوگوں کے انفرادی اور نجی مسائل و معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔ اجتماعیات کے تمام امور میں، مذہب کا عمل دخل اس دور میں تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ یہ SECULAR FIELD ہے جیسا کہ انگریز کے دور میں ہندوستان میں اصل نظام اجتماعی (LAW OF THE LAND) سرکار انگلشیہ کا تھا۔ ہندوستان میں رہنے والے تمام مذاہب کے لوگوں کو آزادی تھی کہ وہ اپنے شخصی معاملات (PERSONAL LAW) میں اپنے اپنے مذہب پر عمل کریں۔ انگریزی حکومت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں

تھا۔ جیسے دستوری اور نظری طور پر تو فی الوقت موجودہ بھارت میں بھی یہ بات تسلیم شدہ ہے۔ تمام مذاہب کے حقوق دستور میں معین ہیں۔ یہ دوسری بات ہے، کہ بجلی برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر۔

بہرحال ایک ملک میں دین یعنی نظامِ اجتماعی ایک ہی رہ سکتا ہے۔ دو نظام نہ رہ سکتے ہیں نہ چل سکتے ہیں جس طرح ایک نیام میں بیک وقت دو تلواریں نہیں سما سکتیں اسی طرح ملک میں دو نظام نہیں چل سکتے۔ ایک گدڑی میں بہت سے درویش سما سکتے ہیں لیکن ایک شال میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ معلوم ہوا کہ ہر نظام اپنا غلبہ چاہتا ہے اور اگر اسلام محض مذہب نہیں بلکہ دین ہے جیسا کہ فی الواقع وہ ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ تو اس کو غلبہ درکار ہے۔ یہ منزل انگریزوں کی دو سو سالہ غلامی کی وجہ سے ہمارے ذہنوں سے اوجھل ہو گئی تھی اور اب بھی بڑی مشکل سے یہ تصوّر لوگوں کے ذہنوں کے سامنے آرہا ہے چونکہ غلامی کے قریباً ان دو سو سالوں کے درمیان اسلام دین نہیں رہا تھا، صرف مذہب بن گیا تھا۔ لہٰذا ہمارا سارا تصوّر اکثر و بیشتر تو پہلی منزل تک محدود ہے یعنی عبادات اور حلال و حرام کے موٹے موٹے احکام ہم جانتے ہیں۔ دوسری منزل کی طرف بھی پیش رفت ہوئی یعنی تبلیغ۔ دین کو پہنچانا، اسے عام کرنے کی کوشش کرنا لیکن یہ بات ذہنوں سے اوجھل ہو گئی کہ ہمارا دین اپنا غلبہ چاہتا ہے: اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی۔ اسلام دین ہے اور دین ہوتا ہی وہ ہے جو غالب ہو۔ علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے ؎

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

میں بڑے جزم کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلام جب غالب ہوتا ہے تو دین ہوتا ہے اور جب مغلوب ہوتا ہے تو صرف مذہب رہ جاتا ہے۔ ہماری دو سو سالہ سیاسی اور فکری غلامی نے اس مذہبی تصوّر کو اس طریقے سے ہمارے ذہنوں میں نقش اور راسخ کر دیا ہے کہ اگر بڑی محنت کے بعد کسی کے سامنے یہ تصوّر واضح ہوتا ہے کہ اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے تو تھوڑے عرصہ کے بعد مضمحل ہو کر ذہنوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور پھر توجہ اس کے مذہبی تصوّر تک محدود ہو جاتی ہے۔ ہمارا اسلام کا محض مذہبی تصوّر اتنا راسخ ہو چکا تھا کہ ہمارے بعض زعماء نے انگریز کی حکومت کی بڑی مدح بھی کی تھی کہ اس نے ہمیں بڑی مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔

لہٰذا اس سوسمت کے خلاف کوئی تحریک چلانا یا اس میں حصہ لینا مسلمانوں کے لئے قطعی نامناسب ہے۔ اسی پر مردِ قلندر اقبال نے یہ پھبتی چست کی تھی ؎

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اسلام کا غلبہ اور اسلام کا ایک دین کی حیثیت سے بالفعل قائم و نافذ کرنا۔ یہ ہے ہمارے فرائضِ دینی کی تیسری اور بلند تر منزل۔

اب آیئے! ایک قاعدۂ کلیہ اور اٹل اصول کی طرف۔ آپ اپنا نظام لانا چاہتے ہیں تو نافذ و قائم الوقت نظام کو ہٹانا ہوگا۔ جیسا کہ مولانا رومؒ نے کہا ؎

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند
می ندانی اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

انقلاب کے لئے یہ عمل لازم و لابد ہے، ناگزیر ہے۔ سیدھی سیدھی سی بات ہے کہ جو نظام بھی کہیں قائم ہوتا ہے اس کے ساتھ VESTED INTERESTS، مفادات، چودھراہٹیں، سیادتیں، قیادتیں، وابستہ ہوتی ہیں۔ مراعات یافتہ طبقات ——— جن کو اپنے حق سے زیادہ مل رہا ہے جو دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں، جن کے پاس اختیارات اور حقوق کا ناجائز ارتکاز ہوگیا ہے، وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی اس نظام کو چھیڑے، اسے ہاتھ لگائے۔ علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں ابلیس کی زبان سے کہلوایا ہے۔ ع "نظام کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے"۔ ہوش میں آؤ، اپنی قوتوں کو مجتمع کرو۔ یہ ایک آندھی آرہی ہے جو تمہارے مفادات اور تمہاری مراعات کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر لے جائے گی۔ یہ کشمکش بڑی شدید ہے۔ قرآن مجید دو مقامات پر کہتا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ یہ ہے اٹل قانون۔ مشرک کبھی دینِ حق کا غلبہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ تصادم ہو کر رہے گا۔ یہ ہے اصل تصادم۔ اب یہ تصادم بالفعل (PHYSICAL) تصادم ہوگا۔ اب نظریاتی تصادم اگلے مرحلہ میں داخل ہوگا۔ اب طاقت، طاقت سے ٹکرائے گی۔

اِس بالفعل تصادم (PHYSICAL COLLISION) کے بھی تین مرحلے ہیں۔ سیرت النبیؐ پر تقاریر کے موقع پر میں نے اُن کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اِس وقت اُن کو محض جمع کر رہا ہوں

تاکہ اِس خاکے میں یہ بھی سامنے آجائیں ۔ اس بالفعل تصادم میں پہلے مرحلہ کو ہم کہیں گے صبرِ محض
ماریں کھاؤ مگر اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہ اٹھاؤ ۔ بارہ برس مکہ میں یہی حکم رہا کہ اگر ———
——————— ——— تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر ننگی پیٹھ
لٹایا جارہا ہے لیٹ جاؤ RETALIATE نہیں کر سکتے ۔ اس کو جدید اصطلاح میں کہیں گے :
PASSIVE RESISTANCE قدم پیچھے نہ ہٹے ۔ کلمۂ توحید اور کلمۂ طیبہ پر قائم رہو ۔ لیکن ہاتھ
اٹھانے کی اجازت نہیں ہے ۔ دوسرا مرحلہ آتا ہے کہ اگر طاقت اتنی فراہم ہوگئی ہے کہ اقدام
کیا جا سکتا ہے تو آگے بڑھو اور باطل کو للکارو اور چیلنج کرو ——— اس نظام کی کسی دکھتی ہوئی رگ
کو چھیڑ دو ۔ اسے جدید اصطلاح میں کہا جائے گا *Active Resistance* ۔ تیسرا اور آخری مرحلہ ہے
قتال ARMED CONFLICT- آج سے تمہارے ہاتھ بھی کھول دیئے گئے ہیں ۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ
يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۔ " آج سے ، ان لوگوں کو اجازت
دی گئی جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر پوری
قدرت رکھتا ہے :" مکی دور ، صبرِ محض کا دور تھا ۔ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد نبی اکرمؐ نے
اقدام فرمایا اور چھاپے مار دستے بھیج کر قریش کی تجارت کے دونوں راستوں کو جو مکہ سے یمن
اور مکہ سے شام کی طرف جاتے تھے مخدوش بنا دیا گویا قریش کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا ۔ چونکہ ان
کی معاش کا بہت بڑا انحصار اِن ہی راستوں کے ذریعہ تجارت پر تھا ۔ اِس کو جیسا کہ میں نے عرض
کیا تھا جدید اصطلاح میں *Active Resistance* کہا جاتا ہے ۔ اس کے بعد ہر انقلابی عمل میں
لازمی آخری مرحلہ آتا ہے اور وہ ہوتا ہے مسلح تصادم ۔ یہ انقلابی دعوت وقت کے جن فراعنہ
کے مفادات کو چیلنج کرتی ہے ، وہ جب اس دعوت کو توسیع پذیر ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو
اس کو کچلنے کے لئے اپنی عسکری طاقت کو میدان میں لاتے ہیں ——— اور اس طرح
مسلح تصادم کا تیسرا اور آخری مرحلہ شروع ہوجاتا ہے ۔ ہر انقلابی دعوت کو لازماً اس آخری مرحلہ
سے سابقہ پیش آکر رہتا ہے جب یہ انقلابی دعوت RETALIATE کرتی ہے وقت کے رائج
و نافذ نظام کے ساتھ ۔ اب تک تو وہ جھیل رہی تھی ۔ برداشت کر رہی تھی ۔ لیکن جب وہ
اقدام کا مرحلہ شروع کرتی ہے تو نظامِ باطل اس کو کچلنے کے لئے اپنی پوری طاقت کے ساتھ
بڑھتا ہے اور آخری مرحلے پر مسلح تصادم کا آغاز ہوجاتا ہے اور انقلاب کا یہی مسلح تصادم
جہاد کی آخری چوٹی "قتال فی سبیل اللہ" بن جاتا ہے ۔ ایک وقت وہ تھا کہ اپنی مدافعت

میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی لیکن آخری مرحلے پر وہ وقت آجاتا ہے کہ جس کے متعلق حکم الٰہی آتا ہے : كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ "۔" اب تم پر جنگ فرض کر دی گئی ہے " وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ٥ " ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناپسند ہو دراں حالیکہ اسی میں تمہارے لئے خیر ہو اور ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں پسند ہو دراں حالیکہ اس میں تمہارے لئے شر ہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے " اس قتال کا ہدف، TARGET وہ ہے جو میں پہلے آپ کو سنا چکا ہوں کہ "مسلمانو! اب جبکہ تمہاری تلوار نیام سے باہر آگئی ہے تو یہ اُس وقت تک نیام میں نہیں جائے گی، جب تک فتنہ وفساد بالکل فرو نہ ہو جائے اور اللہ کے خلاف بغاوت بالکل کچل نہ دی جائے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کے لئے نہ ہو جائے۔" وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ٥

یہاں 'فتنہ' سے مراد کیا ہے! اس کی ہمارے اکثر صاحب علم مختلف تشریحات و توجیہات کرتے ہیں۔ میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ چونکہ تصور غیر انقلابی بن گیا ہے لہٰذا جہاں کہیں بھی انقلابی بات آئی ہے تو پہلو بچا کر نکلنے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فتنوں کا شمار مشکل ہے، استحصال بھی فتنہ ہے، ناانصافی بھی فتنہ ہے، لیکن وہ اصل فتنہ کیا ہے جو اس آیت میں مراد ہے؟ اور جو اُمّ الفتن ہے۔ وہ یہ ہے کہ :

> یہ زمین اللہ کی ہے، اس کا جائز حاکم صرف اس کی ذات ہے۔ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط اگر زمین پر تشریعی معاملات اور اجتماعی نظامِ حیات میں اللہ کے سوا کسی اور کا حکم چل رہا ہے تو یہ اس کے خلاف صریح بغاوت ہے یہی سب سے بڑا فتنہ ہے۔

یہاں فتنہ سے اصلاً یہی فتنہ مراد ہے۔ اسی کے متعلق ایک مقام پر فرمایا گیا : وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا : وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ غور کیجئے وہاں قتال و مقاتلہ کن کے خلاف تھا! اپنی ہی قوم اور اپنے قبیلہ کے لوگ، اپنے ہی بھائی بند، اپنے ہی اعزاء و اقارب مدِمقابل تھے لیکن وہ طاغوتی نظام کے علمبردار تھے اور امتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس بات پر مامور کی گئی تھی کہ اجتماعی نظام خالصتاً توحید کے انقلابی نظریے پر قائم ہو : أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ط اور أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط۔ سورۂ توبہ

اور سورۂ صف میں جہاں خاتم النبیین و المرسلین کی بعثت کی امتیازی شان یہ بیان ہوئی ہے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ تو دونوں مقامات کے آخر میں فرمایا گیا: وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ "اور چاہے مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔ جن لوگوں کے مفادات، جن کی قیادت وسیادت نظامِ باطل سے وابستہ ہوں، وہ اس بات کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ اُن کا طاغوتی نظام بیخ و بُن سے اکھاڑ کر توحید پر نظامِ عدل و قسط قائم کیا جائے۔ وہ تو مزاحمت کریں گے، مخالفت کریں گے اور اپنی پوری طاقت دین اللہ کے قیام و نفاذ کو روکنے کے لئے صَرف کر دیں گے۔ لہٰذا اللہ کے فرمانبرداروں کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ کے باغیوں سے پنجہ آزمائی کریں۔ نبرد آزمائی کریں اور اللہ تعالیٰ کی تشریعی حکومت کو قائم کرنے کیلئے اپنا تن، من، دھن سب کچھ قربان کر دیں تاکہ حق بحق دار رسد والا معاملہ ہو جائے۔ جو لوگ یہ قربانی دیں تو وہ سرخرو ہیں مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔ لیکن اگر ایمان کے دعویدار بیٹھے رہیں، باطل کے ساتھ کوئی کشمکش نہ کریں بلکہ اس کے زیرِعافیت چین کی بانسری بجائیں۔ اپنے معیارِ زندگی کی بلندی ہی مقصود و مطلوب بن جائے تو یہ طرزِ عمل دنیوی قانون میں بھی ABETMENT یعنی اعانتِ جرم شمار ہوتا ہے۔ یہ باغیوں کے ساتھ ایک نوع کا تعاون قرار دیا جاتا ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا سب سے بڑا سبب یہی بغاوت ہوئی ہے۔ کائنات کے تکوینی نظام پر جس اللہ کی حکومت قائم ہے، یہ زمین اسی اللہ کی ہے۔ لہٰذا اس پر بھی اسی کی تشریعی حکومت قائم ہونی چاہئے: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ حکم دینے کا اختیار صرف اسی کو حاصل ہے۔ لیکن اس اصل الاصول کو چھوڑ کر کوئی فردِ واحد ہو، کوئی قوم ہو۔ عوام ہوں۔ کیسے باشد۔ کوئی بھی ہو، وہ اگر اپنا حکم چلوا رہا ہے تو درحقیقت وہ خدائی کا مدعی ہے اور اللہ کا باغی ہے۔ مسلمان تو وہ ہے جو صرف اللہ کا وفادار ہو

اس موقع پر اچانک میرا ذہن اس مقدمۂ بغاوت کی طرف منتقل ہوا جو ہمارے ہی شہر کراچی کے خالق دینا ہال میں ہمارے چند اکابر کے خلاف پہلی جنگِ عظیم کے دوران قائم ہوا تھا۔ ہمیں جہاں اپنوں ہی کے طرزِ عمل کے سبب سے ندامت کے ساتھ اپنی گردن جھکا لینی پڑتی ہے وہاں یہ مقدمہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ ہماری تاریخ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کے ذکر سے ہمیں کسی درجے میں سہارا ملتا ہے، کہ انہوں نے وہی طرزِ عمل اختیار کیا جو ایک مسلمان کے شایانِ شان ہے۔ ان اکابر نے پہلی جنگِ عظیم کے اُس ٹریبونل کے سامنے جو انگریزی حکومت نے بغاوت کے مقدمہ کے لئے قائم کیا تھا برملا کہا تھا کہ ہاں ہم انگریزی حکومت کے باغی ہیں۔ اس لئے کہ مسلمان صرف اللہ کا وفادار ہو سکتا ہے وہ کبھی

غیر اللہ کا وفادار نہیں ہو سکتا بہر حال یہ ہیں جہاد کے تین درجے۔ ان کو مزید پھیلائیں گے تو نو درجے بن جائیں گے اور نویں منزل پر جا کر یہ جہاد قتال بنتا ہے۔ جو اس کی چوٹی ہے۔ اس کا CLIMAX ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ صف میں جہاں جہاد کی بات ہوئی وہاں یہ بات صراحت سے سامنے آتی ہے کہ جہاد تو ایمان کی بنیاد (BASE) ہے۔ جہاد نہیں کرو گے تو عذاب جہنم سے چھٹکارا پانے کی امید محض امید موہوم ہے۔ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ اس کی کوئی برہان اور دلیل تمہارے پاس نہیں ہے۔ عذاب الیم سے رستگاری کے لیے ایمان اور جہاد لازم وملزوم ہیں چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں فرمایا: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔

"اے اہل ایمان! میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تم کو عذاب الیم سے نجات دلا دے؟ (وہ یہ ہے کہ) ایمان (پختہ) رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اس کی راہ میں اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے"۔ معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ جہاد ناگزیر ہے۔ اس سے تو مفر ہے ہی نہیں یہ تو نجات کی شرط لازم ہے۔ آپ فقہی اصطلاحات سے ذرا صرف نظر کر لیں کہ یہ فرض ہے یا نہیں یا یہ کہ یہ فرض عین ہے یا کفایہ ہے۔ قرآن مجید تو یہ بتاتا ہے کہ جہاد نہیں تو ایمان نہیں۔ دلیل کے لئے سورۃ حجرات کی آیت نمبر ۱۵ سنیے فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

"مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر اس شان سے ایمان لائے کہ ان کے قلوب تشکیک اور غلجان میں نہیں پڑے بلکہ ان کو یقین قلبی حاصل ہو گیا اور جنہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں۔ بس صرف یہی لوگ ہیں جو اپنے دعوئ ایمان میں سچے ہیں"۔ اس آیت مبارکہ میں حصر کے دو اسلوب آتے ہیں ایک اِنَّمَا اور دوسرے اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ اسی لئے میں نے ترجمانی میں اس اسلوب کو پیش نظر رکھا ہے۔

آگے چلیے۔ اگر کوئی دنیوی محبت اللہ کی راہ میں جہاد سے روکنے کے لیے پاؤں میں بیڑی بن کر پڑ گئی تو قرآن مجید کا فتویٰ کیا ہے! اسے سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ میں بیان کیا گیا، فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اللہ کی محبت، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت کی عظمت و اہمیت پر قرآن حکیم کی بڑی جامع اور مہتم بالشان آیت ہے۔ اس آیت کی ترجمانی کے لیے عرض کرتا ہوں کہ اس آیت میں مسلمانوں کے سامنے ایک معیار اور کسوٹی رکھ دی گئی ہے ان سے فرمایا گیا ہے کہ اپنے باطن میں ایک ترازو نصب کر لو اور پھر جائزہ لے لو کہ تمہاری اصلی دلی محبتوں کا کیا حال ہے فرمایا کہ اے نبی! ان مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے دل میں نصب شدہ میزان کے ایک پلڑے میں آٹھ محبتیں ڈالو۔ پہلی اپنے باپوں کی محبت، دوسری اپنے بیٹوں کی محبت، تیسری اپنے بھائیوں کی محبت چوتھی اپنی بیویوں کی محبت، پانچویں اپنے رشتہ داروں اور اعزہ و اقارب کی محبت، ماں، بیٹی، بہن اور شوہر کی محبتوں کا بھی ان میں احاطہ ہو گیا یہ پانچ محبتیں علائق دنیوی سے متعلق ہیں۔ پھر ان کے ساتھ چھٹی محبت اس مال کی جو بڑے چاؤ کے ساتھ تم نے جمع کیا ہے۔ ساتویں اس کاروبار کی محبت جو بڑی محنت سے تم نے جمائے ہیں جس میں تم نے خون پسینہ ایک کیا ہے جس کے متعلق تم کو اندیشے لاحق رہتے ہیں کہ کہیں کساد بازاری نہ آجائے، کہیں گھاٹا نہ ہو جائے اور آٹھویں ان مکانوں کی محبت جو تم نے بڑے ارمانوں سے تعمیر کیے ہیں، جن کی زیبائش و آرائش پر تم نے پانی کی طرح پیسہ لگایا ہے۔ یہ تین محبتیں اسباب و سامان دنیوی سے متعلق ہیں۔ اب تقابل کے لیے دوسرے پلڑے میں تین محبتیں ڈالو، ایک اللہ کی محبت، دوسری اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت، اور تیسری اس کی راہ میں جہاد کی محبت۔ اب دیکھو کونسا پلڑا بھاری پڑا۔ کونسا جھکا! اگر ان آخر الذکر محبتوں کا پلڑا ہلکا رہ گیا اور علائق و سامان دنیوی کی محبتوں والا پلڑا بھاری پڑ گیا تو جاؤ گومگو کی حالت میں مبتلا رہو اور انتظار کرو۔ میں محاورے کے طور پر فَتَرَبَّصُوْا کا صحیح مفہوم ادا کرنے کے لیے کہا کرتا ہوں کہ جاؤ دفع ہو جاؤ حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ حتیٰ کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے اور اللہ ایسے فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہاں فاسق کا لفظ انتہائی قابلِ توجہ ہے جس مسلمان کا دل جہاد کی محبت سے خالی اور اس کی اہمیت و عظمت سے غافل ہے اس کا شمار بھی فاسقوں میں ہوتا ہے۔ میرا ظنِ غالب ہے کہ اسی آیت مبارکہ سے متاثر ہو کر اقبال نے یہ شعر کہا تھا:

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گمان لا الہ الا اللہ

معلوم ہوا کہ جہاد سے تو مفر ہے ہی نہیں۔ سورۃ حجرات کی جو آیت میں نے آپ کو سنائی ہے وہ اس بات پر دال بلکہ میرے غور و فکر کی حد تک نصِ قطعی ہے کہ ایمان حقیقی کے دو رکن ہیں ہر ایک ہر نوع کے ریب و تشکیک اور ذہنی خلجان سے برا الیقین قلبی اور دوسرا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد۔

بلاشبہ کلمۂ شہادت، اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، حج اور صوم رمضان، پانچ ارکان اسلام ہیں۔ ان میں شہادتین کو بنیاد اور دوسرے چار کو ستون کا مقام حاصل ہے، بنیاد اور ستون کے بغیر کسی عمارت کی تعمیر کا تصور ممکن ہی نہیں، لہٰذا میں نے جو تین منزلہ عمارت کی مثال پیش کی تھی اس کی ہر منزل کے لیے یہ ارکانِ اسلام ناگزیر و لابد ہیں، ایمان حقیقی کے دو رکن ہیں ایک قلبی یقین اور دوسرا جہاد فی سبیل اللہ، جہاں تک میں نے غور کیا ہے، نجات کا کوئی دوسرا راستہ اس جہاد کے بغیر کم از کم مجھے نظر نہیں آتا۔ سورۃ العصر میں نجاتِ اخروی کے جو چار ناگزیر لوازم بیان فرمائے گئے ہیں اس میں تیسرا لازمہ، تیسری ناگزیر شرط، تواصی بالحق قرار دی گئی۔ سورۃ ہود کی پہلی آیت مبارکہ میں یہ اصول بیان فرمایا گیا ہے۔ الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ چنانچہ اسی کے مطابق قرآن حکیم اسی تواصی بالحق کی شرح کے لیے مزید کئی اصطلاحات بیان کرتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح بھی اس کی توضیح و تشریح اور تفصیل ہے۔

ہاں قتال فی سبیل اللہ اسی جہاد فی سبیل اللہ کی چوٹی ہے۔ یہ اس کا ذروۂ سنام ہے۔ یہ مقام محبوبیت ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ یہ وہ اعلیٰ مقام ہے کہ اس راستے میں جان دینے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ میں فرماتا ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ اور سورۃ آل عمران میں فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ یہ وہ ارفع مرتبہ ہے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تمنا اور آرزو فرمایا کرتے تھے

وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُغْزٰى فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاُقْتَلَ ثُمَّ اُغْزٰى فَاُقْتَلَ۔

"اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، میری تمنا اور آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں لڑوں اور قتل کر دیا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر اللہ کی راہ میں جنگ

کروں اور قتل کر دیا جاؤں"۔ کتب احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا میں منقول ہیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ اور اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ لیکن سورہ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ سنت بیان فرمائی ہے: کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے یعنی طے فرما دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہو کر رہیں گے۔ یقیناً اللہ ہی زور آور اور زبردست ہے"۔ رسولوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ مقتول نہیں ہوتے چونکہ عالم ظاہری میں اس طرح رسول کے مغلوب ہونے کا پہلو نکلتا ہے، البتہ انبیاء علیہم السلام کو یہ خصوصی تحفظ نہیں دیا گیا چنانچہ وہ قتل کیے گئے ہیں جس کی سب سے بڑی مثال حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قتل ہے ضمناً یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ رفع آسمانی کی یہ بھی ایک دلیل ہے چونکہ وہ بھی رسول تھے (علیہ السلام)۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ ۔ پھر اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بھی ہے کہ جس قوم کی طرف رسول مبعوث کیا جاتا ہے وہ قوم اگر رسول کا انکار کر دے اس پر صرف محدود سے چند لوگ ہی ایمان لائیں تو اہل ایمان کو بچا کر اس قوم کو عذاب استیصال کے ذریعہ اسی دنیا میں ہی تباہ و برباد اور ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے، انہوں نے آنجنابؑ کا انکار کیا لیکن انہیں عذاب استیصال سے تاحال نیست و نابود نہیں کیا گیا۔ یہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے لیے دلیل ہے، حضرت مسیحؑ قرب قیامت میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے نزول فرمائیں گے اور انشاء اللہ انہی کے ہاتھوں تمام یہودی عذاب استیصال و ہلاکت کا مزہ چکھیں گے۔

البتہ قتال ہر وقت نہیں ہوتا۔ موقع محل کے اعتبار سے ہوتا ہے اگر کوئی اسلامی حکومت بالفعل قائم ہو اور اسے غیر مسلموں سے فی سبیل اللہ جنگ کا مرحلہ درپیش ہو تو حالات کے لحاظ سے حسب ضرورت فوج موجود ہے یا مزید ضرورت کے لیے لوگ جنگ کے لیے نکل آئیں تو قتال فرض عین نہیں فرض کفایہ ہو جائے گا۔ لیکن جہاد، وہ چیز ہے جو ایک مسلمان پر شعور کی عمر کو پہنچتے ہی فرض ہو جاتا ہے۔ اس جہاد کے مختلف مدارج ہیں۔ جن میں سے بعض کا میں قدرے تفصیل سے ذکر کر چکا ہوں اور بعض کی طرف محدود وقت کے باعث میں نے محض اشارات پر اکتفا کیا ہے۔ "قتال اس جہاد کے عمل کی

آخری چوٹی ہے اس کا ذروۂ سنام ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایئے جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَ لَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنْ نِفَاقٍ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حال میں مر جائے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہ کرے اور اس کے دل میں اس کا خیال آیا ہو نہ اس کی تمنا اور آرزو پیدا ہوئی ہو تو ایسے شخص کی موت نفاق کی ایک شاخ ایک نوع و قسم پر ہو گی۔"

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

ایک اور بات میں آج آپ حضرات کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگرچہ میں بھی اس بات کا قائل ہوں کہ ہمیں حتی الامکان جدید اصطلاحات سے احتراز کرنا چاہیئے۔ ہمیں کتاب و سنت کی اصل اصطلاحات کے ساتھ چمٹے رہنا چاہیئے عافیت اسی میں ہے ورنہ بالکل غیر شعوری اور غیر محسوس طور پر غلط نظریات اذہان میں رینگ کر آجاتے ہیں اور پیوست ہو جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ایک یہ بھی دشواری پیش آتی ہے کہ ہر دور کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے، ہر دور کی چند مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں جو بات کی تفہیم کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ اگر اس زبان اور ان اصطلاحات کے ساتھ بات نہیں کی جائے گی تو ابلاغ کا حق ادا نہیں ہو گا۔ COMMUNICATION GAP رہ جائے گا۔ لہٰذا میرے نزدیک VIA-MEDIA یہ ہے درمیانی راہ یہ ہے کہ وقتی طور پر ابلاغ اور افہام کے لیے ان اصطلاحات کو EMPLOY یعنی استعمال کیا جائے لیکن اپنے فکر کو مستقلاً ان اصطلاحات کے حوالے سے استوار کیا جائے جو کتاب و سنت کی ہیں۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر میں آپ کے سامنے عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ "جہاد" کے لیے آج کے دور کی اصطلاح ہے "انقلاب" انقلابی عمل ہی جہاد ہے۔ اس انقلابی عمل پر میں نے سیرتِ مطہرہ کے حوالوں سے اور اصولی اعتبار سے متعدد تقریریں کی ہیں۔ البتہ اس میں تھوڑا سا فرق واقع ہوتا ہے۔ میں نے جہاد کے حوالے سے جو تین سطحیں (LEVELS) بیان کی ہیں، انقلابی عمل میں ان کی ترتیب بدل جاتی ہے۔ جب ہم انقلاب کی بات

کریں گے تو سب سے پہلے دعوت کا مرحلہ آئے گا۔ اس لیے کہ ہر انقلابی فکر کی PROPAGATION اس کی نشر و اشاعت، اس کو پھیلانا۔ اس کو عام کرنا، اسے ذہنوں میں اتارنا، اس کو دلائل کے ساتھ حق ثابت کرنا، اس انقلابی عمل کا آغاز ہوتا ہے۔ لہٰذا اس طرح درمیانی منزل اب پہلی ہو گئی ہے۔

انقلابی عمل کا دوسرا مرحلہ کیا ہوتا ہے؟ یہ کہ جو لوگ اس فکر کو قبول کریں انہیں منظم کیا جائے۔ اس لیے کہ انقلاب بغیر جماعت کے نہیں آتا۔ میں پھر عرض کر دوں کہ اس اجتماع میں جس میں بفضلہٖ تعالیٰ علمائے کرام اور اہلِ دانش و بینش بھی موجود ہیں، میں اپنے مطالعہ اور غور و فکر کے نتائج کو واشگاف طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ بات بالکل واضح ہو جائے۔ اس موقع پر اس امر کی صراحت بھی کر دوں کہ میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ انفرادی طور پر دین کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ انفرادی سطح پر تبلیغ ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک اسی کی سب سے اعلیٰ اور درخشاں مثال حضرت نوح علیہ السلام کی ہے کہ ساڑھے نو سو برس دعوت دیتے رہے۔ سورۃ نوح کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب علیہ السلام نے کس کس طور اور طریقے سے دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی انجام دہی کے لیے مساعی کی ہیں اور پھر کتنی حسرت کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا ہے کہ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۔ وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ

لیکن قوم مردہ ہو چکی تھی۔ اس نے حضرت نوح کی دعوتِ توحید کو قبول نہیں کیا۔ اس سے اعراض و انکار کیا۔ ساڑھے نو سو برس کی دعوت و تبلیغ کا جو نتیجہ نکلا اس کو سورۃ ہود کی آیت نمبر ۴۰ کے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ "اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو اس (نوحؑ) کے ساتھ ایمان لائے تھے۔" یہاں "قلیل" وہ معنی دے رہا ہے جو انگریزی میں A LITTLE دیتا ہے یعنی بہت ہی کم ۔ "معدودے چند" قرآن حکیم میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ پر ان کے گھر والے ہی ایمان لائے تھے۔ اس میں بھی ایک بیٹے نے دعوتِ حق قبول نہیں کی تھی۔

وہ کفر پر ہی اڑا رہا تھا ممکن ہے کہ چند انگلیوں پر گنے جانے والے اور لوگ بھی ایمان لائے ہوں، بہرحال ساتھی نہ ملے، جمعیت فراہم نہیں ہوئی۔ اگلا قدم کیسے اٹھتا اعوان و انصار نہ ہوں تو اگلی منزل کی طرف پیش رفت کیسے ہو۔ لیکن حضرت نوح علیہ السلام کی استقامت و مصابرت دیکھیے کہ ساڑھے نو سو برس دعوت و تبلیغ میں لگا دیئے اور کھپا دیئے اور اپنے فرضِ منصبی کو ادا کر دیا۔ ہمارے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ ایک مخلص شخص اپنی پوری زندگی اس کام میں لگا دے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخرو اور کامیاب ہوگا۔ معاشرہ اگر مر چکا ہے۔ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت معدوم ہو چکی ہے تو کوئی RESPONSE نہیں ملے گا۔ ساتھی میسر نہیں آئیں گے۔ اس کا کوئی قصور نہیں، وہ سرخرو ہے۔ اگلا قدم اٹھانے اور اگلی منزل کی طرف پیش رفت کرنے کا موقع ہی نہیں ملا لہٰذا وہ بری الذمہ ہے۔ اسی طریقے سے تربیت، تزکیہ، تدریس، تعلیم، تصنیف تالیف یہ سارے کام دین کے ہیں اور یہ انفرادی طور پر ہو سکتے ہیں اور بحمداللہ ہمارے یہاں یہ سب ہی کام ہو رہے ہیں۔

لیکن جب آخری منزل کی بات ہوگی، اصل ہدف کی بات ہوگی جس کو میں اب انقلاب سے تعبیر کر رہا ہوں، دین کا غلبہ، دین کا قیام، دین کا نفاذ، دین کی سربلندی، میرا یہ حسن ظن ہے کہ یہاں کوئی احمق شخص ہو سکتا ہے جو یہ سمجھے کہ یہ کام انفرادی طور پر ممکن ہے، میرے نزدیک احمق کا لفظ بھی بہت ہلکا ہے، ایسا خیال رکھنے والا شخص فاتر العقل ہی ہو سکتا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ تنظیم کے بغیر کوئی اجتماعی کام نہیں ہو سکتا، چاہے وہ خیر کے لیے ہو چاہے شر کے لیے، جو اشخاص لوگوں کی جیبیں کاٹتے ہیں ان کی بھی تنظیم ہوتی ہے، آج کل ڈاکے پڑنا روزمرہ کا معمول ہو گیا ہے۔ ان ڈاکوؤں کے بھی گروہ GANGS ہوتے ہیں، تنظیم ہوتی ہے تخریب کاری کے لیے بھی تنظیمیں قائم ہیں۔ جو لوگ اس ملک میں اشتراکی انقلاب لانا چاہتے ہیں، ان کی بھی باقاعدہ تنظیمیں موجود ہیں۔ لہٰذا اقامت اور اظہارِ دین کے لیے تنظیم اور جماعت ناگزیر ہے۔ اس سے مفر نہیں ؎

جز دار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ
ناچار گنہگار سوئے دار چلے ہیں

حضرت نوح علیہ السلام کے بالکل برعکس میں دوسری مثال حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیا کرتا ہوں، سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ میں جن پانچ اولوالعزم من الرسل کا ذکر ہوا ہے، ان میں زمانی ترتیب کے لحاظ سے اولین ہیں حضرت نوح علیہ السلام اور آخری ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم، درمیان میں تین رسول ہیں۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اس طرح حضرت موسیٰ بالکل وسط میں آتے ہیں۔ اب دیکھئے اول و آخر میں کتنی متضاد کیفیت ہے کہ ایک نے ساڑھے نوسو برس دعوت دی، کوئی اعوان و انصار نہیں، جمعیت ہی فراہم نہیں ہوئی تو اگلا قدم کیسے اٹھے! اور دوسرے کا معاملہ یہ ہے کہ کل بیس برس میں دنیا کا عظیم ترین صالح انقلاب برپا فرما دیا۔ میں بیس سال فتح مکہ اور اس کے بعد غزوہ حنین کی کامیابی کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں چونکہ اس کے ساتھ ہی جزیرہ نمائے عرب تک انقلاب اسلامی کی تکمیل ہو گئی تھی۔ مایہ الامتیاز اور فیصلہ کن چیز کیا ہے۔ اسے سورۃ فتح کی آیات نمبر ۲۸، ۲۹ کے حوالے سے سمجھئے، فرمایا۔

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۭ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔"

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

صحابہ کرام کی وہ جمعیت، وہ تنظیم، اجتماعی طاقت COMMITTED لوگ DEDICATED لوگ جو اپنے آپ کو TOTALLY IDENTIFY کر کے نبی اکرمؐ کے اعوان و انصار بنے ہیں کہ "ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم" جو غزوۂ بدر سے قبل ایک مشاورت میں کہہ رہے ہیں کہ "اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ

ہم سے کیا پوچھ رہے ہیں۔ بسم اللہ کیجئے جو بھی آپ کا ارادہ ہو، کیا عجب کہ اللہ ہمارے ذریعے آپ کو آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما دے جو کہہ رہے ہیں کہ حضورؐ آپ ہمیں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھیوں پر قیاس نہ فرمائیے جنہوں نے کہا تھا۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝

جہاں آپؐ کا پسینہ گرے گا وہاں اپنا خون بہانا ہمارے لیے سعادت ہوگی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جملہ یاد کیجئے جو کہہ رہے ہیں کہ حضورؐ آپؐ ہم سے کیا مشورہ لے رہے ہیں: اِنَّا اٰمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ ۔ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں ہم آپؐ کی تصدیق کر چکے، ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کر چکے۔ اب خدا کی قسم اگر آپؐ ہمیں حکم دیں گے تو ہم اپنی سواریاں سمندر میں ڈال دیں گے۔ اگر آپؐ ہمیں حکم دیں گے تو ہم اپنی اونٹنیوں کو دبلا کر دیں گے لیکن برک غماد تک جا پہنچیں گے جو عرب کا ایک دور دراز علاقہ ہے جس کی راہ میں لق و دق صحرا پڑتا ہے۔ یہ ہے وہ فیصلہ کن اور مابہ الامتیاز بات اگر جمعیت نہ ہو۔ اس میں بنیان مرصوص کی کیفیت نہ ہو۔ اس میں سمع و طاعت کا وصف و جوہر نہ ہو۔ اس میں نظم و ضبط نہ ہو، وہ تربیت یافتہ نہ ہو، اس کو اللہ کی رضاء سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہو، اس کو زندہ رہنے سے زیادہ اللہ کی راہ میں جان دینا عزیز نہ ہو تو اگلی منزلوں کی طرف پیش رفت اور پیشقدمی کے مراحل آئیں گے ہی نہیں حضرت نوحؑ کو ایسے ساتھی نہ ملے، اگلے مرحلے کا معاملہ درپیش ہی نہ ہوا۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے اعوان و انصار مل گئے جنہوں نے دعوتِ توحید پر لبیک کہا۔ دعوتِ حق کو قبول کیا اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالا اور انہوں نے دعوت الی اللہ، اعلائے کلمۃ اللہ، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے لیے شدائد مصائب، فقر و فاقہ، کشمکش و تصادم، جہاد و قتال کے مراحل میں جاں نثاری، قربانی و ایثار، صبر و تحمل اور استقامت کی وہ مثالیں قائم کیں کہ جن کے متعلق میں وثوق کے ساتھ عرض کیا کرتا ہوں کہ ان کی نظیر تاریخ انسانی نہ آج تک پیش کر سکی ہے۔ اور نہ آئندہ پیش کر سکے گی۔ اللہ کی طرف سے حضورؐ کو ایسے جاں نثار اصحاب کا ملنا اس لیے بھی تھا کہ اظہار دین الحق آپ کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ چونکہ آپ آخری نبی اور رسول ہیں

لہٰذا انبفس نفیس دین حق کو ایک نظام اجتماعی کی حیثیت سے قائم اور نافذ کر کے تا قیام قیامت نوعِ انسانی پر حجت قائم کرنا بھی آپؑ کے فرائض منصبی میں ایک امتیازی نشان رکھتا تھا۔ اب آیئے سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ میں اولوالعزم من الرسل میں سے بالکل وسط میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آنجنابؑ کی بعثتیں بھی دو نوعیتوں کی حامل تھیں۔ ایک آنجنابؑ آلِ فرعون کی طرف رسول تھے۔ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ اور دوسرے آپؑ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آنجنابؑ کی دعا پر آپ کی معاونت کے لیے آپؑ کے بھائی حضرت ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تھا۔ مصر میں دونوں حضرات علیہما السلام دعوت و تبلیغ اور بنی اسرائیل کی تربیت و تزکیہ میں ہمہ وقت و ہمہ تن لگے رہے، حتیٰ کہ فرعون کے اعراض، سرکشی دشمنی اور انکار کے باعث ہجرت کا مرحلہ آگیا اور آپ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل جائیں۔ آپ کے ساتھ لاکھوں کی جمعیت تھی۔ جب آپ بنی اسرائیل کے ساتھ صحرائے سینا پہنچے تو اگلا اور آخری مرحلہ دین کے قیام، اظہار، غلبہ اور نفاذ کے لیے قتال کا درپیش آیا اور وحی الٰہی کے ذریعے حکم ہوا کہ ارضِ مقدس (فلسطین) میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا: يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

لیکن قوم بودی نکلی، بزدل نکلی، ٹھڑ دلی نکلی اور اس نے کورا جواب دے دیا۔ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝

نتیجہ یہ نکلا کہ انقلابی عمل وہیں رُک گیا، اگر یہ اقامتِ دین کا کام اجتماعی قوت اور منظم جمعیت کے بغیر ممکن ہوتا تو اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھی دوسرے پیغمبر حضرت ہارون موجود تھے علیٰ نبیّنا وعلیہما السلام کے مبارک ہاتھوں سے تکمیل پاتا۔ لیکن ساتھیوں کی بزدلی اور پیٹھ دکھانے کے باعث انقلابی عمل تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ نے قوم کو بشارت دی تھی، اللہ کی طرف سے کہ ارضِ مقدس تمہیں دی جا چکی ہے اب تمہاری ہمت درکار ہے، پیٹھ دکھاؤ گے تو ناکام و خاسر ہو جاؤ گے۔ آیت میں آپ کو سنا چکا ہوں، قوم کی اس بزدلی، کم ہمتی

کا نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور پاداش اپنا حکم سنا دیا۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ ان کی نافرمانی اور بزدلی کی وجہ سے ان پر ارضِ مقدس چالیس سال تک حرام کر دی گئی۔ اب یہ اسی صحرا میں اس مدت تک بھٹکتے رہیں گے، حضرت موسےٰ علیہ السلام قوم کی اس ڈھٹائی، نافرمانی، بزدلی اور کورے جواب سے اتنے آزردہ اور دل گرفتہ ہوتے کہ ان کی زبان پر آ گیا: قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ اگر جمعیت ہو لیکن وہ INDISCIPLINE ہو۔ اس میں سمع و طاعت کا جوہر نہ ہو۔ اس میں نظم و ضبط نہ ہو تو بھی انقلابی عمل آخری مرحلہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس کے لیے وہ جماعت درکار ہے جس کے متعلق آنحضورؐ نے فرمایا: امرکم بخمس: بالجماعة والسمع والطاعة والهجرة والجهاد فی سبیل الله۔ ایک روایت میں امرکم بخمس کے بعد الفاظ آتے ہیں: الله امرنی بهن۔ اس طرح یہ حکم مزید مؤکد ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اقامتِ دین کے مرحلے کو طے کرنے کے لیے ٹھٹھ اسلامی اصول سمع وطاعت پر مبنی ایک منظم جماعت ناگزیر و لابد ہے، یہاں میں یہ بھی عرض کر دوں کہ جہاد کی میں نے جو سطحیں بیان کی ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بھی جماعتی زندگی لازم ہے۔ اکیلا شخص معاشرے کے دباؤ، نفس کی ترغیبات اور ابلیس لعین کی تخریبات کے مقابلے میں مشکل ہی سے ٹھہر سکتا ہے۔

دعوت کے ساتھ تربیت کا مرحلہ آتا ہے۔ اس کی اہمیت کو اکبر الہ آبادی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس شعر میں بیان کیا ہے۔

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

علامہ اقبال نے ان کو اپنا مرشد معنوی مانا ہے۔ میرا گمان ہے کہ علامہ کے اس شعر میں جو میں آپ کو سنانے والا ہوں، اس کا مرکزی خیال علامہ نے اکبر کے اسی شعر سے مستعار لیا ہے، لیکن اپنا اپنا اسلوب، اپنا اپنا مقام اور اپنا اپنا رنگ ہے۔ اقبال نے اسے جس طرح ادا کیا ہے اس کی اپنی ایک شان ہے۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تُو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تُو

اور علامہ کی فارسی شاعری میں یہ مضمون CLIMAX پر آتا ہے

با نشّۂ درویشی در سازو دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

یہ تربیت ہے، یہ تزکیہ ہے، یہ تعلق باللہ ہے۔ یہ رضائے الٰہی کے حصول کی آرزو تمنا ہے۔ ان چیزوں سے وہ اجتماعی طاقت وجود میں آتی ہے جس کو سلطنت جم پر دے مارنا ہے جس کو باطل اور طاغوت سے جا ٹکرانا ہے۔

اگلے تین مراحل وہی ہیں جو بیان ہو چکے ہیں PASSIVE RESISTANCE ہے (ACTIVE RESISTANCE) ہے۔ پھر ARMED CONFLICT ہے۔ لیکن یہ جو پہلا مرحلہ ہے، جسے انقلابی عمل میں اصل حیثیت و اہمیت اور اوّلیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے دو مرحلے وہ ہیں جہاں جہاد قرآن سے ہوگا پہلا مرحلہ ہے **دعوت** وہ نظریاتی تصادم، وہ نظریاتی کشمکش، اس کے لئے بندۂ مؤمن کے ہاتھ میں جو تلوار ہے وہ **قرآن** ہے۔ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ اس کے ساتھ حکمت بھی ہو: ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ۔ اس حکمت کے ذریعے دعوت و تبلیغ، یہ **قرآن** موعظہ حسنہ بھی ہے: قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۝ اسی میں جدال بھی ہے، مشرکین سے، ملحدین سے، منافقین سے، اہلِ کتاب سے، ان کے ساتھ مجادلہ کا ذریعہ بھی یہی قرآن ہے، سورۃ نحل کی اس آیت میں یہ تمام طریقے نہایت حسین طریقے سے آ گئے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ط پس **قرآن** کی تلوار ہاتھ میں لے کر نظریاتی تصادم و کشمکش کے میدان میں کود پڑو۔ انذار **قرآن** کے ذریعے سے: وَاُوْحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط تبشیر **قرآن** کے ذریعے سے۔ میں آپ کو سورۃ مریم کی آیت سنا چکا ہوں جس میں انذار اور تبشیر دونوں کا ذریعہ **قرآن** ہی کو قرار دیا گیا ہے: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ط میں اپنے اس احساس کا اعادہ کر

رہا ہوں کہ اس "بے" پر ہمارے اکثر اہلِ علم نے کماحقہ توجہ نہیں دی۔ سورہ کہف کی پہلی دو آیات میں بھی انذار و تبشیر کے لیے ذریعہ نہایت جمیل اسلوب سے قرآن کو قرار دیا گیا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ
تذکیر قرآن سے ۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ۔ معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ کہہ لیں یا نظریاتی تصادم و کشمکش کہہ لیں، اس کا ذریعہ اس کا اکلہ قرآن ہے۔ ہم نے تو اس قرآن کو وعظ کا ذریعہ بھی نہیں بنایا۔ اقبال نے اس کے مرثیے کہے ہیں۔

واعظِ دستان زن افسانہ بند — معنیٔ او پست و حرفِ او بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ او — با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ او

واعظ کا حال یہ ہے کہ ہاتھ خوب چلاتا ہے اور سماں بھی خوب باندھتا ہے اس کے الفاظ بھی پرشکوہ اور بلند و بالا ہوتے ہیں لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے نہایت پست اور ہلکے۔ اس کا سارا وعظ قرآن کے بجائے یا تو خطیب بغدادی سے ماخوذ ہوتا ہے۔ یا دیلمی سے اور اس کا سارا سروکار بس ضعیف، شاذ اور مرسل روایات سے رہ گیا ہے۔" ہمارے عام واعظین نہ معلوم کہاں کہاں سے ضعیف حدیثیں لاتے ہیں۔ میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ بدقسمتی سے ہمارے دور میں ضعیف حدیثوں کے حوالے سے تبلیغ ایک باقاعدہ INSTITUTION کی صورت اختیار کر گئی ہے، فضائل کے بیان اور نیکیوں کی تلقین کے لیے اولیائے کرامؒ کی غیر مصدقہ کرامات کا ذکر ہے۔ ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کا سہارا ہے۔ حالانکہ موعظہ حسنہ تو یہ قرآن ہے۔ دل کی کایا پلٹ دینے کے وصف کا حامل یہ قرآن ہے لیکن اس کو سمجھنا بھی مت، تفسیر تو درکنار اس کا ترجمہ بھی نہ پڑھنا۔ اس کی تو بس تلاوت کر کے ثواب حاصل کر لیا کرو۔ وعظ و نصیحت کے لیے ضعیف روایات یا بے سر و پا قصے کہانیاں جن کو ایک عام معقول انسان کا ذہن بھی قبول نہ کرے اور اسے فوراً رد کر دے اور ان کو تسلیم کرنے پر اس کا دل تیار نہ ہو۔ اس کے ذریعہ سے ابلاغ کیا ہوگا۔ س

پہلا جہاد بالقرآن ہے **دعوت** کے لیے۔ نظریاتی تصادم میں ہماری تلوار قرآن ہے اگرچہ اس کا حق ادا کرنا اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ - کی بشارتِ نبویؐ کو چند سعید روحیں اپنا مقصدِ زندگی بنائیں - ان کو اس کے لئے کھپنا پڑے گا۔ اس کے لئے زندگیاں لگانی ہوں گی۔

دوسرا مرحلہ ہے **تربیت**۔ اس کے لیے بھی ہمارے پاس اصل تلوار قرآن ہے ذرا غور تو کیجئے کہ قرآن اس کا مدعی ہے اس حقیقت کا کہ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ میں ہوں۔ لیکن ہم نے تزکیۂ نفس کے لیے کہاں کہاں بھیک مانگی ہے اور پھر اس کے لیے فلسفے اور پورے پورے نظام مدوّن کیے ہیں مگر اس کوچے میں گزر نہیں ہے تو قرآن کا نہیں ہے اقبال نے اس کا بھی نوحہ کہا ہے۔

صوفئ پشمینہ پوشِ حال مست ‏ ‏ ‏ ‏ از شرابِ نغمۂ قوّال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش ‏ ‏ ‏ ‏ درنمی سازد بقرآں محفلش

"پشمینہ پوش صوفی اپنے حال میں مست اور قوالی کی شراب سے مدہوش ہے اس کے دل میں عراقی کے شعر سے آگ بھڑک جاتی ہے لیکن اس کی محفل میں قرآن کا کہیں گزر نہیں" اور بالفرض کچھ ہو بھی تو اس کا کوئی اثر نہیں جو مدعی ہے شفاء لما فی الصدور کا جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا جس کے لیے وہ کہتا ہے : وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لیکن اس کی ناقدری کا یہ عالم ہے کہ اور سب کچھ استعمال ہو جائے گا ہم نے سارے کوچے گھنگال لیے، در در سے بھیک مانگ لی لیکن یہ دروازہ بند ہے تزکیہ بھی اسی قرآن کے ذریعے ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بات کو بھی اس دور میں اقبال نے خوب پہچانا ہے۔ مجھے معاف فرمائیں، میں علمائے کرام کی عظمت اور ان کے مقام و مرتبہ کا جس درجے معترف ہوں وہ سب کو معلوم ہے۔ لیکن اس حقیقت کو بیان کیے بغیر بھی چارہ نہیں کہ ان حقائق کا جو انکشاف اقبال پر ہوا ہے اور ان کا جو شعور و ادراک علامہ کو حاصل ہوا ہے وہ مجھے اس دور میں اور کہیں نہیں نظر آتا۔ کس خوبصورتی سے کہتے ہیں ؎

کشتنِ ابلیس کارِ مشکل است ٭ زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی ٭ کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

شیطان کو بالکل ہلاک کر دینا بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے کہ وہ انسان کے دلوں میں ڈیرا لگا لیتا ہے اور اس کی رسائی انسان کے دل کی گہرائیوں تک ہے بہتر راستہ یہ ہے کہ اسے قرآن کی حکمت و ہدایت کی شمشیر سے گھائل کر کے مسلمان بنا لیا جائے۔ غور کیجئے ہر شعر میں احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ کو کس طرح سمو دیا ہے میں آپ کو یہ حدیث سنا چکا ہوں کہ: اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ۔ شیطان انسان کے وجود میں اسطرح سرایت کر جاتا ہے جیسے کہ خون"۔ پہلے شعر میں اس کا حوالہ ہے۔ دوسرا شعر بھی ایک حدیث نبوی سے ماخوذ ہے۔ ایک مرتبہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ کسی صحابی نے بڑی ہمت اور جرأت کی، اللہ تعالیٰ انہیں اجر دے وہ دریافت نہ کرتے تو یہ حکمت ہم تک کیسے پہنچتی انہوں نے سوال کیا کہ "کیا حضورؐ آپ کے ساتھ بھی ہے" آپ نے جواب میں فرمایا کہ "ہاں" ہے لیکن میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے، یہ ہے وہ بات جو اس مصرعہ میں علامہ نے کہی ہے۔ خوشتر آں باشد کہ مسلمانش کنی، لیکن وہ مسلمان کس طور سے ہوگا اسے علامہ دوسرے مصرعہ میں بیان کرتے ہیں۔ کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی۔ یہ قرآن شیطان کو مسلمان بناتا ہے، اگر زہر وہ ہے جو پورے وجود میں سرایت کرتا ہے تو یہ قرآن بھی وہ تریاق ہے جو پورے وجود میں سرائت کرتا ہے، ظاہر ہے اگر تریاق زہر سے زیادہ موثر نہ ہو تو زہر کا اثر کیسے زائل ہوگا۔ اس بات کو بھی اقبالؒ نے کہا ہے۔

؎ چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہ قرآن جب کسی کے اندر سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب آجاتا ہے۔ اب وہ انسان بالکل بدلا ہوا انسان بن جاتا ہے۔ یہ باطنی انقلاب ہے، اندر کی تبدیلی ہے۔ میں بات کو مختصر کرنے کے لیے اس شعر میں اپنا مفہوم شامل کر رہا ہوں، یہ باطنی انقلاب، یہ اندر کی تبدیلی، ایک عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بنتی ہے ورنہ انقلاب کہاں سے آئے گا۔ جہاں دیگر شود کا پہلا اور اصل مفہوم تو یہ ہوگا کہ جس انسان کے اندر قرآن کے ذریعے تبدیلی آگئی، اس کے لیے جہان بدل گیا۔ اس کی دیکھنے والی

نگاہ بدل گئی ۔ اس کا زاویہ نظر بدل گیا ۔ اس کی اقدار بدل گئیں ۔ اب اس کے لیے یہ جہان وہ نہیں ہے بلکہ جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا ۔ یہ عالم پیر مر رہا ہے والا معاملہ ہے ۔ جب کسی کے دل میں قرآن اتر جائے ، اس کے لیے اب یہ عالم نیا عالم ہے ۔ اس کا نقطۂ نظر اور مطلوب و مقصود بدل گیا ہے اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ اگر ایسے فدائین کی ایک ڈسپلن جماعت وجود میں آجائے جس کے دل میں قرآن جاگزیں ہو جائے تو یہ تبدیلی عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتی ہے ، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اندر جو شِ ایمانی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ اسی قرآن کی بدولت ہی پیدا ہوا تھا ۔ یہ مختصر سی اور بے سروسامان جماعت ، ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں تلوار لے کر کسریٰ و قیصر کے وقت کی دو عظیم سلطنتوں سے جا ٹکرائی تھی اور بیس سال کے مختصر عرصہ میں اوّل الذکر کو بالکل نیست و نابود اور آخر الذکر کو مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ سے بالکلیہ بے دخل کر دیا تھا اور ان علاقوں پر اللہ ہی کے دین کا جھنڈا لہرانے لگا تھا ۔

حاصل کلام یہ کہ انقلابی عمل کی دو سطحیں ہیں یا یوں کہہ لیں کہ جہاد کے دو LEVELS ہیں ، مجاہدہ مع النفس کے لیے ہمارے ہاتھ میں تلوار قرآن ۔ اور نظریاتی کشمکش اور تصادم کے لیے بھی ہماری تلوار قرآن ، تحدیث بالنعمۃ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اسی جہاد بالقرآن کا عزم لے کر میں ۱۹۶۵ء کے آواخر میں ساہیوال سے لاہور منتقل ہوا تھا ۔ ورنہ ۱۹۵۴ء میں لاہور سے ایم بی بی ایس کر کے میں ساہیوال میں مقیم ہو گیا تھا ۔ لاہور آکر میں نے بالکل تن تنہا اس کام کو شروع کیا ۔ اس وقت کوئی ساتھی نہیں ، کوئی ادارہ نہیں ، کوئی انجمن نہیں ۔ 'میثاق' کا چارج سنبھالا تو تنہا ، خود ہی اس کا ایڈیٹر خود ہی مالک ، خود ہی پروف ریڈر ، حتیٰ کہ خود ہی اس کا چپڑاسی ۔ پھر دارالاشاعت الاسلامیہ قائم کیا ۔ وہ بھی تنہا ، وہی 'میثاق' والی صورتِ حال ، ساتھ ہی مولانا حسرت موہانی کے اس مصرعہ کے مصداق ؎ ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی ۔ مطب بھی کر رہا تھا ۔ نبض بھی دیکھ رہا تھا اور نسخے بھی لکھ رہا تھا ۔ اسی دوران کئی علاقوں میں مطالعہ قرآن کے حلقے قائم کیے ۔ اور منتخب نصاب کا درس شروع کیا ۔ قرآن کی دعوت کا یہ اعجاز کہ اعوان و انصار ملتے چلے گئے ۱۹۷۲ء کے اوائل میں میں نے میثاق میں مرکزی انجمن

'خدامُ القرآن' اور اس کے زیرِ انتظام قرآن اکیڈمی کے قیام کا خاکہ پیش کیا۔ الحمدللہ بعض دردمند اور اہلِ دل حضرات نے اس پر لبیک کہی اور ۱۹۷۲ء کے وسط میں باقاعدہ انجمن قائم ہوگئی۔ میں نے انجمن کے خاکے اور پھر دستور کی تقدیم میں یہ شعر درج کیا تھا۔

؎ گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

الحمدللہ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۴ء تک قریباً بارہ سال انجمن کے قیام پر گزر گئے اس عرصہ میں جو بھی بن آیا ہے اور جس کام کی بھی اللہ کی طرف سے توفیق ملی ہے وہ آپ حضرات کے سامنے ہے، انجمن کا قیام۔ اس کے لیے دفاتر، رہائشی کوارٹرز، ہوسٹل، جامع القرآن، قرآن اکیڈمی کی تعمیرات، علوم و معارف قرآن کی نشر و اشاعت کے لیے مکتبہ کا قیام۔ پاکستان کے چند دوسرے شہروں کے دعوتِ رجوع الی القرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے دورے اور دروس و خطابات کے ذریعے دین کے جامع تصور کو اجاگر کرنے کی کوشش، قرآن کانفرنسوں اور اب محاضراتِ قرآنی کا انعقاد، مختلف شہروں میں قرآنی تربیت گاہوں کا انتظام، ساتھ ہی اسی پیغام کے لیے بیرونِ پاکستان کے اسفار۔ میں نے یہ کام صرف اس مقصد کے لیے گنوائے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ ان سب کاموں کو آپ 'جہاد بالقرآن' کے عنوان کے تحت اپنے حافظے میں درج کرلیں۔ ایک وقت وہ بھی آیا جب خالصتہ اللہ ہی کی طرف سے اس دور کے سب سے مؤثر ذریعۂ ابلاغ ٹیلی وژن پر پورے پندرہ ماہ تک "الہدیٰ" کے نام سے قرآن مجید کا پیغام اس ملک کے گوشے گوشے تک پہنچا، میرے ساتھی یہاں موجود ہیں، وہ اس کی تصدیق کریں گے کہ میرے یہاں آج تک ٹیلی وژن نہیں ہے۔ میں اس کوچے کا مسافر ہی نہیں۔ پہلی مرتبہ جب اسلام آباد سے ٹی وی کے ایک پروڈیوسر صاحب لاہور انجمن کے دفتر رمضان المبارک میں روزانہ "الکتاب" کے عنوان سے تقاریر کی تجویز لے کر تشریف لائے تو اس وقت انجمن کی مجلسِ منتظمہ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر ان سے ملنے گیا۔ انہوں نے کہا کہ پورے رمضان میں روزانہ بارہ منٹ کا "الکتاب" کے عنوان سے ایک پروگرام ہوگا۔ اس میں آپ کو ایک پارے کے بارے میں کچھ بیان کرنا ہوگا۔ میں نے کہا مت ماری گئی ہے، مجھے ایک

آیت کے لیئے بسا اوقات ایک گھنٹہ درکار ہوتا ہے اور آپ ایک پارے کے لئے مجھے بارہ منٹ عطا کر رہے ہیں۔ میں اس مختصر سے وقت میں کہوں تو کیا؟ میں نے معذرت کی کہ مجھ میں اس کی نہ صلاحیت ہے اور نہ جرأت، آپ کسی اور کو تلاش کیجیئے۔ میں دفتر والوں سے یہ کہہ کر ان کی چائے وغیرہ سے تواضع کرکے ان کو رخصت کردو، انجمن کے اجلاس میں واپس آگیا۔ ساتھیوں نے پوچھا کہ کون صاحب تھے؟ کیا معاملہ تھا۔ میں نے جب بتایا تو سب اراکین میرے سر ہو گئے کہ آپ نے یہ کیا کیا، پانچ منٹ بھی دیں تو لو! وہ اس ذریعۂ ابلاغ کی اہمیت سے واقف تھے۔ وہ اس دنیا کے رہنے والے ہیں، میں اصل میں اس دنیا کا رہنے والا ہوں ہی نہیں، میری ایک چھوٹی سی علیحدہ دنیا ہے، میں اسی میں مگن ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میں اسی دنیا میں دفن ہو جاؤں اور مجھے اس سے باہر کی ہوا نہ لگے، نہ مجھے نہ میرے اہل وعیال کو۔ بہرحال اراکین کے اصرار پر میں دوبارہ اٹھ کر گیا، وہ صاحب ابھی چائے پی رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ساتھیوں کے اصرار پر میں یہ پیشکش منظور کرتا ہوں۔ دو سال رمضان المبارک میں روزانہ "الکتاب" کا پروگرام ٹی وی پر نشر ہوا، پھر تیسرے سال رمضان ہی میں "الٓمٓ" سیریز چلی۔ پھر "الہدیٰ" کا ہفتہ وار پروگرام شروع ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص فضل سے یہ راستہ پیدا فرما دیا۔ پھر جب بالکل درمیان میں "الہدیٰ" کا پروگرام ختم ہوا، درمیان میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ میں اس پروگرام میں "مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا سلسلہ وار بیان کر رہا تھا — وہ نصف ہوا تھا کہ اچانک یہ پروگرام بند کر دیا گیا جیسے سے وہ ختم ہوا ہے، میں قطعی مطمئن ہوں کہ یہ اللہ ہی کا فیصلہ ہے اور اس میں یقیناً خیر ہے: عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اس "الہدیٰ" کے پروگرام کے ذریعے ملک بھر میں ایک پیاس پیدا ہو گئی' لوگوں کی یہی پیاس ہے جو مجھے کھینچ کر جگہ جگہ لے جا رہی ہے اور عرصہ سے صورت حال یہ ہے کہ میں عموماً لاہور سے ہفتہ کی صبح کو نکلتا ہوں اور جمعرات کی رات یا جمعہ کی صبح کو یہاں واپس پہنچتا ہوں۔ اگر آج شہر شہر جا کر میں قرآن کا پیغام پہنچا رہا ہوں تو ظاہر بات ہے کہ اس کے لیے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے "الہدیٰ" کے پروگرام کو بنایا۔ ورنہ کون

جانتا تھا۔ اور اگر ہم ابھی پچاس برس بھی لگے رہتے تو اپنے محدود ذرائع اور وسائل سے اتنا وسیع حلقۂ تعارف پیدا نہیں ہو سکتا تھا اور معاشرے میں اتنی پیاس پیدا نہیں ہو سکتی تھی، جو بظاہر احوال نظر آ رہی ہے۔

بہرکیف میں گفتگو کے اختتام سے قبل عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن ہی ہمارا ذریعۂ دعوت ہے۔ نظریاتی تصادم اور کشمکش کے لئے ہماری تلوار قرآن حکیم ہے، جہاد بالقرآن ہی ہمارا طریق کار ہے۔ نفس اور شیطان سے کشمکش کے لئے بھی ہمارے ہاتھ میں واحد تلوار قرآن مجید ہے۔ وقت کی محدودیت کے پیش نظر اجمالاً عرض کر رہا ہوں کہ تزکیۂ نفس کے لئے قرآن نے جو پروگرام دیا ہے، اس میں دو مؤثر ترین چیزیں ہیں۔ ایک قیام اللیل۔ دوسری اس قیام میں ترتیل کے ساتھ زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت و قرأت، ابتدا میں قیام اللیل کا حکم اطلاقی شان کے ساتھ آیا تھا: یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۔ بعد میں جب اس نے ایک معیّن شکل اختیار کی ہے تو حکم آیا: وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ، رات کا جاگنا اور مجرد جاگنا نہیں بلکہ قیام میں قرآن کی طویل قرأت و تلاوت۔ یہ دو ہتھیار ہیں جس سے ایک بندۂ مؤمن کی جہاد بالقرآن کے لئے سیرت کی تعمیر ہوتی، اس کی دعوت موعظہ اور مجادلہ میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

میں آج جہاد بالقرآن کے ذیل میں یہ باتیں آپ کے سامنے عرض کرنی چاہتا تھا، مجھے احساس ہے کہ میں نے اندازے سے زیادہ وقت لے لیا ہے۔ میں جناب صدر مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدظلہٗ علمائے کرام، دانشور حضرات اور جملہ شرکا کا انتہائی شکرگزار ہوں کہ تمام حضرات نے میری معروضات کو توجہ سے سماعت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس قرآن کو ہاتھ میں لے کر ہمیں باطل کے خلاف نبرد آزما ہونے کی سعادت اور خود اپنے شیطان اور اپنے نفس سے لڑنے کے لیے اس قرآن کی تلوار کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اَللّٰهُمَّ انْسِ وَحْشَتَنَا فِیْ قُبُوْرِنَا۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً۔ اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَا نَسِیْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهٗ اٰنَاءَ الَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً یَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ
فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ
وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا
جسمیں جنگ کی بڑی قوت ہے اور لوگوں کیلئے
بڑے فوائد بھی ہیں۔

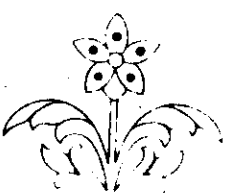

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ
۳۲۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور

عصرِ حاضر کی بے نظیر تفسیر

حقائق و معارف کلام اللہ اور علومِ قرآن کا جامع ذخیرہ

معارف القرآن

۶ جلدیں چھپ کر تیار ہیں

حضرۃ العلامہ شیخ الحدیث و التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

پاکستان بھر میں واحد تقسیم کار مکتبہ مدنیہ لاہور

ہدیہ : ۳۰۰ روپے اعلیٰ ڈائی دار جلد سٹاک محدود فوراً حاصل کیجیے

ہمارے ہاں ہر قسم کی دینی و نصابی کتب نیز ردِّ شرک و بدعت پر لاجواب لٹریچر بھی دستیاب ہے

وی پی بھیجنے کا خصوصی انتظام موجود ہے۔ اپنے مسلک کے مکتبہ سے تعاون کر کے اسے اس قابل بنائیں کہ وہ مزید اپنے اکابر کی تالیفات شائع کر سکے۔ علماءِ اہلِ سنت دیوبند کی تصنیفات کا واحد مرکز

مکتبہ مدنیہ ○ ۱۷۔ اردو بازار لاہور فون ۶۲۵۲۰

Adarts CAR-2.84

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رینبو انٹرنیشنل

فون: ۳۰۳۳۵۵ / ۳۰۳۳۷۷

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ❖ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ❖ کاٹن گارمنٹس ❖ احرام تولیہ ❖ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ❖ لکڑی کا فرنیچر۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ❖ سٹکر فلم ❖ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ❖ پولیسٹر ریان۔

مرکزی دفتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور

ذیلی دفاتر: کراچی - فیصل آباد۔

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا ممتاز ادارہ

*

ایچ نظام دین اینڈ سنز

*

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

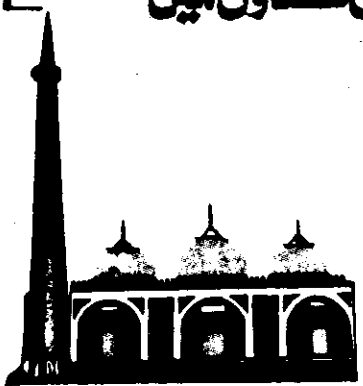

پاکستان کی کھلی فضاؤں میں
پاکستان کی
کھلی فضاؤں میں
اذانوں کی گونج
ہماری روحانی میراث
کی آئینہ دار ہے
اور
مشینوں کے چلتے ہوئے پہیوں کا شور
ہماری صنعتی ترقی کا مظہر ہے
ملکی صنعت قوم کی خدمت ہے اور قومی خدمت ایک عبادت ہے
سروس اپنے شوز کی ایکسپورٹ سے زرمبادلہ کما کر دن رات
وطنِ عزیز
کی خدمت میں سرگرم عمل ہے
سروس شوز۔ دنیا کے گوشے گوشے میں مقبول

بسم الله الرحمن الرحيم

سانيو
SANYO

AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS

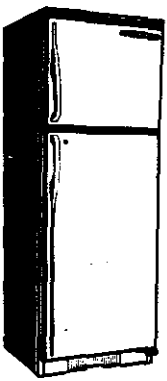

NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

- Two door with built-in lock.
- Spacious freezer compartment with drainage system, a new feature.
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.

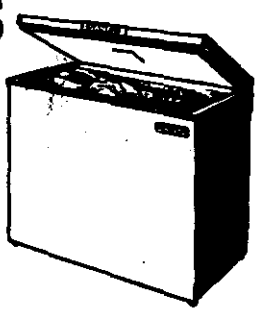

CHEST/UPRIGHT FREEZERS

AIR-CONDITIONERS

new in utility
with higher efficiency

Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.

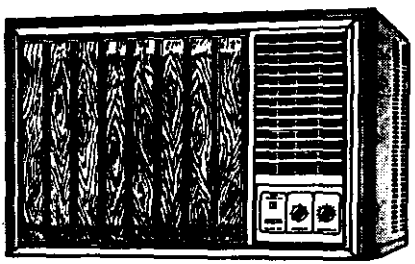

Available at all SANYO Authorised Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

SPECIAL ATTENTION: *Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's* 5 year Guarantee Certificate in order to avail free after Sales Service.

SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)
GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONES: (PABX) 525151-55 (5 Lines)
CABLE: "WORLDBEST" TELEX: 25109 WWTCO PK

786/WW-109/83

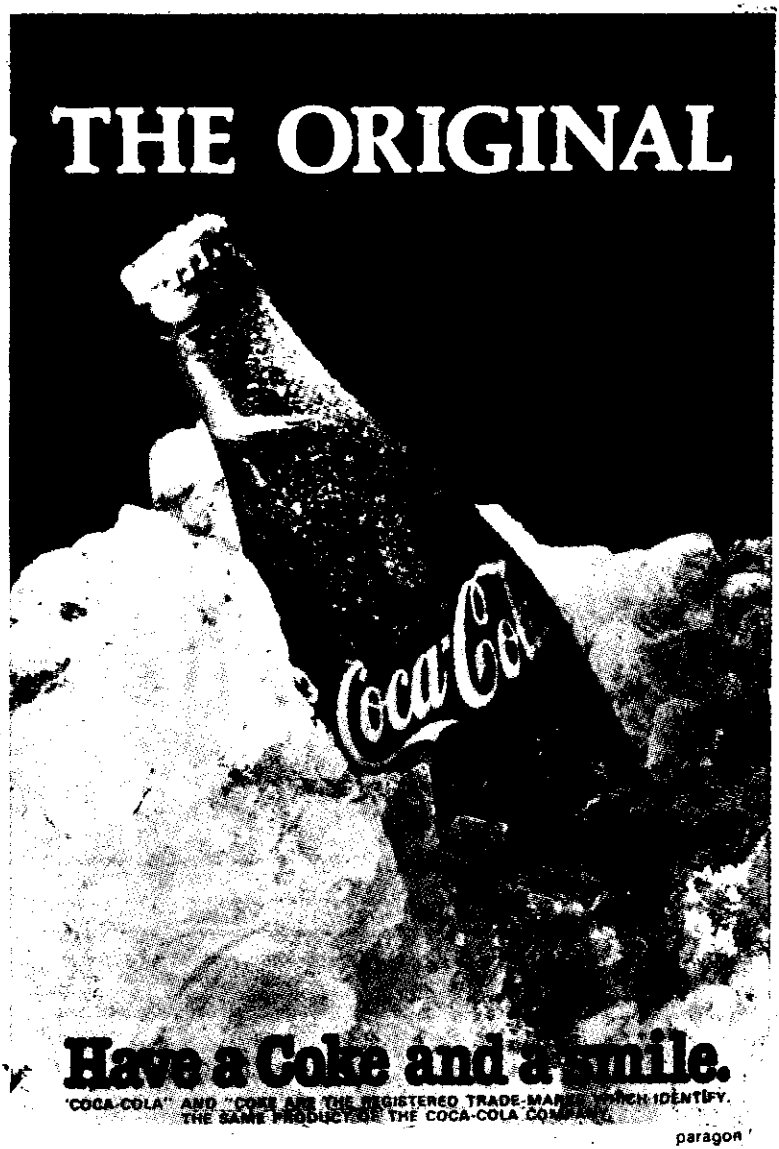

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
'COCA-COLA' AND 'COKE' ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.
paragon

عَن انسؓ عَن النبیّ صَلّی اللہ علیہ وسلّم قال

لایؤمن احدکم

حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس لاہور

ٹمپل روڈ ‏ سوہا بازار

۳۱۱۴۰ ـــ ۳۰۴۳۳۳ ‏ ۶۴۴۳۳ ـــ ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر: اے وحید

ایگل

ایک عالمگیر قلم

خوشخط، رواں
اور دیرپا
اسٹین لیس
اسٹیل کی
اریڈیم ٹپڈ نب
کے ساتھ

ہر جگہ دستیاب

آزاد فرینڈز اینڈ کمپنی لمیٹڈ

APC · 7780

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی مطبوعات میں

ایک اہم اضافہ

عید الاضحیٰ

اور

فلسفہ قربانی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

ایک اہم تقریر جس کا مطالعہ ان شاء اللہ
کئی شکوک و شبہات کو دور کر دے گا۔

صفحات - ۴۸

قیمت : ۳ روپے صرف

ملنے کا پتہ

۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون : ۸۵۲۶۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ

ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران
بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہم خیمے۔ ترپالیں اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

SNDS

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز، ۸۵۔ شاہراہ قائداعظم، لاہور (پاکستان)
فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ ٹیلکس: 44543 NOOR PK
ایکسپورٹ آفس: ۶۱۶-۶۱۴ کامرس سینٹر، جھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ۔ کراچی (پاکستان)
فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۴۳۸۷، تار: 'TARPAULIN' ٹیلکس: 25480 NOOR PK

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 33 | SEPTEMBER 1984 | No. 9

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنایئے

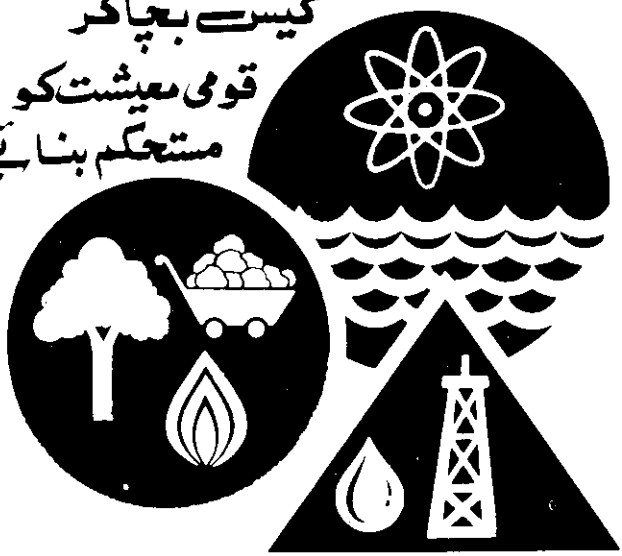

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ قیمتی ہے
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SUI NORTHERN

SNGPL 4/80

Paragon